بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیادگار: حضور حافظِ ملت علامہ شاہ الحاج عبد العزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

ماہنامہ اشرفیہ

مبارکپور
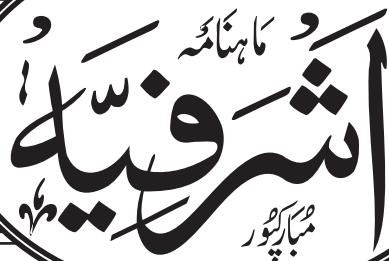
زیرِ سرپرستی:

عزیزِ ملت حضرت علامہ شاہ الحاج عبد الحفیظ صاحب قبلہ

سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ

ذی قعدہ ۱۴۳۷ھ | اگست ۲۰۱۶ء | جلد نمبر ۴۰ شمارہ ۸

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ

دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارکپور

اعظم گڑھ یو۔ پی۔ ۲۷۶۴۰۴

THE ASHRAFIA MONTHLY

Mubarakpur. Azamgarh

(U.P.) India. 276404

قیمت عام شمارہ: 20 روپے

سالانہ: 200 روپے

چیک اور ڈرافٹ

بنام

مدرسہ اشرفیہ

بنوائیں

کوڈ نمبر ———— 05462

دفتر ماہنامہ اشرفیہ ———— 250149

الجامعۃ الاشرفیہ ———— 250092

دفتر اشرفیہ ممبئی فون/فیکس 23726122

سری لنکا، بنگلا دیش، پاکستان، سالانہ

500 روپے

دیگر بیرونی ممالک

$ 20 امریکی ڈالر £ 15 پونڈ

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org E.mail: ashrafiamonthly@gmail.com

مولانا محمد ادریس مصباحی نے نشاط آفسیٹ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

مشـــــــمـــــــولات

اداریہ

مخیر دین وملت الحاج محمد یونس انصاری مرحوم

مبارک حسین مصباحی

آپ کو یہ دردناک خبر مل چکی ہوگی کہ مبارک پور کی ایک معروف شخصیت محترم المقام عالی جناب الحاج محمد یونس انصاری ۲؍ اگست ۲۰۱۶ء کو شب ۸؍ بج کر ۱۰؍ منٹ پر اپنے آخری سفر پر روانہ ہو گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ برسوں سے شوگر کے مریض تھے، مختلف مقامات پر زیر علاج رہے، ان دنوں دہلی کے اپولو ہاسپیٹل میں علاج کرا رہے تھے، اب یہ مرض عام ہو گیا ہے، حاجی صاحب بھی اسی میں مبتلا تھے، آپ مریض ہونے کے باوجود چاک وچوبند رہتے تھے، انتقال والے دن میں ۲؍ بجے گیس کی شکایت ہوئی، اس کے بعد اپنے برادر گرامی الحاج محمد اطہر صاحب کو فون کیا، وہ ایک شادی کی تقریب میں تھے، وہ اسی وقت آئے، انھوں نے سرکاری ہاسپیٹل رابطہ کیا اور حاجی صاحب کی ڈاکٹر سے بات کرائی۔ انھوں نے حال دریافت کر کے دو گولیاں دیں مگر حاجی صاحب کو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ حاجی صاحب نے فرمایا، چلو اعظم گڑھ چلتے ہیں۔ اعظم گڑھ شہر میں ڈاکٹر اے کے رائے کو دکھایا، وہ حاجی صاحب کے احوال سے پہلے سے واقف تھے، انھوں نے کہا کہ آپ کسی بڑے ہاسپیٹل لے جائیں۔ حاجی محمد اطہر صاحب نے الحاج محمد مظہر صاحب سے رابطہ کیا، منگل ہونے کی وجہ سے وہ بنارس گئے ہوئے تھے، انھوں نے کہا کہ آپ انھیں کسی بڑے ہاسپیٹل لے جائیں، ہم بھی جلدی ہی پہنچتے ہیں۔ حاجی محمد اطہر صاحب آپ کو سدھاری میں گلوبل ہاسپیٹل لے گئے، وہاں آپ کو آئی سی یو میں ایڈمٹ کر لیا گیا۔ اب الحاج محمد مظہر صاحب بھی آ چکے تھے۔ ڈاکٹروں نے بتایا کہ اب طبیعت سنبھل رہی ہے، مگر تھوڑی دیر کے بعد ڈاکٹر نے الحاج محمد مظہر صاحب سے فرمایا کہ ذرا آپ اندر آئیے۔ آپ اندر پہنچے تو ڈاکٹروں نے بتایا کہ ابھی ان پر ایک زبردست دل کا دورہ پڑا ہے، اب ان کے بچنے کی امید بہت کم ہے اور ۸؍ بج کر ۱۰؍ منٹ پر آپ کا وصال پر ملال ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے صدقے مغفرت فرمائے۔

اب جیسے ہی ان کے انتقال کی خبر عام ہوئی ہر طرف غم واندوہ کی لہر دوڑ گئی، ہم لوگ مبارک حسین مصباحی، نعیم ملت حضرت مولانا محمد نعیم الدین عزیزی اور جامع مسجد راجہ مبارک شاہ مبارک پور کے خطیب وامام حضرت مولانا نعیم اختر مصباحی وغیرہ محمد اشہد راعینی کے بھتیجے محمد اختر راعینی کی بارات میں قصبہ گولہ بازار گورکھ پور گئے تھے۔ حضرت مولانا نعیم اختر مصباحی نے جیسے ہی نماز عشاء سے فراغت حاصل کی ان کے موبائل پر یہ الم ناک فون آیا کہ الحاج محمد یونس انصاری کا انتقال پر ملال ہو گیا، پھر ہمارے پاس مختلف مقامات سے فون آنے لگے۔ اب ہمارے درمیان گفتگو کا موضوع حاجی صاحب مرحوم تھے۔ اسی دوران حضرت مولانا رحمت اللہ مصباحی نمائندہ روزنامہ انقلاب اردو لکھنؤ اور روزنامہ سہارا اردو گورکھ پور کے نمائندہ حضرت مولانا قاری محمد نور الہدیٰ مصباحی کا بھی فون آیا۔ مولانا نور الہدیٰ مصباحی نے فرمایا کہ ابھی وہاٹس ایپ پر یہ میسیج آیا ہے، اس کی کیا سچائی ہے۔ ہم نے انتہائی افسوس کے ساتھ اس کی تصدیق کی۔

آپ کی نماز جنازہ میں عوام کا جم غفیر تھا، کثیر تعداد میں ایم ایل اے اور وزرا بھی پہنچے۔ لکھنؤ سے وزیر اعلیٰ اکھلیش یادو اور وزیر احمد حسین صاحب کا تعزیتی پیغام بھی آیا، گھر پر خواتین وحضرات کی آمد ورفت کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ آپ کی نماز جنازہ شہزادۂ حافظ ملت حضرت عزیز ملت علامہ شاہ عبد الحفیظ مصباحی سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے پڑھائی اور گھر کے قریب ہی ایک قبرستان میں انتہائی افسوس کے ساتھ سپرد خاک کیا گیا۔

الحاج محمد یونس انصاری بڑی اہم خوبیوں کے حامل تھے۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ عالم نہ تھے اور نہ شیخ طریقت، مگر اس سچائی کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انھوں نے غربت کے زمانے سے لے کر دولت مندی کے زمانے تک دین وسنیت کے فروغ کے لیے بہت کوشش فرمائی۔ اہم اور بڑے کارنامے انجام دیے، اہم بات یہ ہے کہ وہ سیاسی قائد اور خدمت خلق کے خوگر ہونے کے باوجود سنیت کے لیے سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار

رہتے تھے، نعت گوئی اور عشقِ رسول ﷺ میں بھی ان کی اپنی پہچان تھی۔ مدارس و مساجد کے مختلف عہدوں پر فائز رہے اور ان کے فروغ وارتقا کے لیے بڑی مخلصانہ خدمات انجام دیں۔ یہ ایک سچائی ہے کہ جب انسان سیاسی اور قومی میدانوں میں نکلتا ہے تو اختلافات بھی ہوتے ہیں، انسان اپنی فکر و دانش کے اعتبار سے فیصلے بھی کرتا ہے۔ ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ انھوں نے زندگی میں ہر کام اچھا ہی کیا، مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دنیا سے رخصت ہونے والوں کا ذکر خیر ہی ہونا چاہیے۔ ہم جب ان کی زندگی کے پہلوؤں پر غور کرتے ہیں تو پانچ رخ سامنے آتے ہیں:

(۱)ذاتی احوال اور خدمتِ دین (۲)شعروشاعری (۳)انجمن اہل سنت واشرفی دار المطالعہ کے جنرل سکریٹری

(۴)سیاسی اور سماجی امور میں قربانیاں (۵)اعزازات واکرامات

الحاج محمد یونس انصاری ۱۹۵۱ء میں محلہ کٹرہ میں پیدا ہوئے، آپ نے ایک غریب مگر دین دار خاندان میں پرورش پائی۔ آپ کا اور آپ کے اہلِ خانہ کا بنارسی ساڑیاں تیار کرنا مشغلہ تھا، آپ بچپن سے محنتی اور جفاکش تھے، آپ بلند فکر اور اعلیٰ دماغ رکھتے تھے۔ آپ کے والدِ گرامی الحاج عبد الرشید مرحوم تھے، ان کے چند بیٹے تھے، بڑے الحاج محمد یونس انصاری مرحوم (۲) الحاج محمد مونس (۳) الحاج محمد رئیس (۴) الحاج عبد المجید۔ الحاج عبد الرشید کے چھوٹے بھائی الحاج عبد الحی مرحوم تھے، ان کے تین فرزند ہیں، الحاج محمد مظہر، الحاج محمد اطہر، الحاج عبد القیوم۔

ایک اندازے کے مطابق ۱۹۷۱ء میں آپ نے شاعری کا آغاز کیا۔ جلالۃ العلم حافظِ ملت حضرت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی علیہ الرحمہ نے جب دار العلوم اشرفیہ مبارک پور کو جامعہ اشرفیہ میں بدلنے کا عزم فرمایا تو اس توسیع کے لیے سٹھیاؤں روڈ پر وسیع زمین حاصل کرنا شروع کر دیا تھا۔ ۵/۶/۷/ مئی ۱۹۷۲ء/۲۰/۲۱/۲۲/ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ میں جامعہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے سنگ بنیاد کا بنام "تعلیمی کانفرنس" پروگرام مرتب ہوا۔

اس تاریخی اور عظیم کانفرنس سے قریب مبارک پور میں چندہ شروع ہوا۔ مبارک پور میں چندہ کرنے کی یہ روایت رہی ہے کہ چندہ دینے کے نام سے لوگ گھبراتے نہیں ہیں بلکہ اہتمام سے گھر گھر جاکر انجمنیں عشق انگیز نعتیں اور انقلابی نظمیں پڑھتی ہیں، اور پھر باضابطہ چندہ شروع ہوتا ہے اور چندہ بھی یک مشت نہیں بلکہ تھوڑا تھوڑا گھر سے بچے لے کر آتے ہیں، چندہ کرنے ایک دو لوگ نہیں بلکہ درجنوں لوگ شریک ہوتے ہیں، اس وقت لے دے کر دو تین انجمنیں تھیں، ان میں بھی کلام لکھنے والے بہت کم تھے، ان دنوں الحاج محمد یونس انصاری ایک غیر معروف شخص تھے۔ آپ نے ایک نظم لکھ کر ایک انجمن کو دی، مگر اس نے آٹھ دس دن تک اسے پڑھا نہیں، اب حاجی صاحب مرحوم نے انجمن غوثیہ پرانی بستی کے ایک ذمہ دار سے بات کی کہ آپ پڑھوانے کا وعدہ کریں تو ہم اپنا کلام آپ کو دیں۔ انھوں نے کہا یونس بھائی آپ دیں ہم ضرور پڑھوائیں گے۔ اب حاجی محمد یونس مرحوم نے اپنی جیب سے کلام نکال کر ان کے حوالے کیا۔ انھوں نے کلام دیکھا اور کہا انشاء اللہ آج ہی پڑھا جائے گا اور پڑھا بھی گیا۔ یہ کلام عوام و خواص نے بے حد پسند فرمایا۔ اب حضرت حافظِ ملت نور اللہ مرقدہ نے فرمایا: یہ یونس صاحب شاعر کون ہیں؟ لوگوں نے ان کے بارے میں کچھ بتایا تو حضرت حافظِ ملت نے فرمایا: آپ لوگ ذرا انھیں بلائیں تو سہی۔ حاجی محمد یونس صاحب موجود تو تھے مگر حضرت حافظ ملت کی بارگاہ میں پہنچنے کی ہمت نہیں کرتے تھے، ہمیں راویوں نے بتایا کہ الحاج محمد یونس مرحوم پھٹی ہوئی لنگی پہنے ہوئے تھے، کسی طرح اپنی لنگی سمیٹ کر حضرت حافظِ ملت کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ اب حافظِ ملت نے ان کے سر پر اپنا دستِ شفقت رکھا اور پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے فرمایا: "یونس صاحب! آپ قوم کے سپاہی ہیں، آپ جماعت اہلِ سنت کے سپاہی ہیں، خوب نام کرو گے، خوب ترقی کرو گے، ایک دن بھرپور آپ کا چرچا ہوگا۔" اس لیے ہم کہتے ہیں کہ الحاج محمد یونس انصاری مرحوم بلاشبہہ حضور حافظِ ملت کی دعا اور کرامت تھے، زمانے نے دیکھا کہ حاجی صاحب غربت وافلاس کی منزل سے نکل کر دین وسیاست کے میدان میں کتنی بلندی تک پہنچے۔ اللہ تعالیٰ ان کو قبر و حشر میں بھی جزاؤں سے سرفراز فرمائے۔

اب اس کے بعد الحاج محمد یونس انصاری مرحوم نے مسلسل لکھنا شروع کیا، انجمن غوثیہ کے ذمہ داران عالی جناب بدر الدین صاحب، عالی جناب محمد محبوب صاحب اور عالی جناب انوار الحق صاحب کا کہنا ہے کہ حاجی صاحب ہر روز ایک کلام لکھتے تھے اور ہم شوق سے پڑھتے تھے۔ بطور نمونہ ہم حاجی صاحب کے کلام کے چند نمونے پیش کرتے ہیں، امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ العزیز کی لکھی ہوئی نعت کی زمین پر آپ کے کلام کے چند بند ملاحظہ فرمائیں۔

جو دے دوائے دل وہ مسیحا کہوں تجھے　　مونس کہوں، یتیموں کا ماویٰ کہوں تجھے
اے نور تیرے نور سے پر نور ہے جہاں　　لاکھوں سحر کا ایک سویرا کہوں تجھے
اتنا بلند تر ہے تو فکر و شعور سے　　حیران ہوں کہ وصف میں کیا کیا کہوں تجھے
یونسؔ نگاہِ فیض سے سرشار ہو گیا　　کتنا کرم شعار میں داتا کہوں تجھے

الحاج محمد یونس انصاری مرحوم نے دوبار حرمین طیبین کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ واپسی کے بعد ایک تاثراتی نعت شریف لکھی، اس کے چند اشعار ذیل میں ملاحظہ فرمائیے۔

کعبہ نظر میں گنبدِ خضرا نظر میں ہے　　یعنی رسولِ پاک کا روضہ نظر میں ہے
پھوٹا جو ایڑیوں کی رگڑ سے ذبیح کے　　زم زم کا موجزن وہی چشمہ نظر میں ہے
اترے گا جس مقام پہ سر سے گنہ کا بوجھ　　کعبہ کا وہ طوافِ دل آرا نظر میں ہے
وہ سنگ جس کا بوسہ لیا ہے حضور نے　　وہ بوسہ گاہِ سیدِ والا نظر میں ہے
تعظیم کو جھکے ہیں جہاں قدسیوں کے سر　　ذی جاہ وہ درِ شہِ والا نظر میں ہے
یونسؔ بصد خلوص بصد ناز کہہ اٹھا　　یا رب تری عطا کا یہ شہرہ نظر میں ہے

اس وقت ہم آپ کی نعتیہ شاعری کا تجزیہ نہیں کریں گے، ان کے عشق انگیز اور معلومات افزا اشعار سیرتِ رسول ﷺ تاریخ اسلام اور زیارت حرمین طیبین کے مناظر کو سمیٹے ہوئے ہیں۔ انھیں دنوں آپ کی ایک نظم "کمرے والی" مشہور ہوئی تھی۔ یہ ایک سچائی ہے کہ پورے اتر پردیش میں مبارک پور کے برابر افراد والی کوئی دوسری آبادی نہیں ہے جہاں اتنے جوش وخروش سے چندہ دینے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ انھیں دنوں محلہ علی نگر کے چند دن بعد محلہ کٹرہ میں حضرت حافظِ ملت کا کارواں آنے والا تھا۔ ایک دن الحاج عبد الرشید مرحوم، الحاج عبد الحی مرحوم، الحاج محمد یونس انصاری مرحوم اور الحاج محمد مظہر صاحب کسی چندے کے مقام پر جا رہے تھے۔ اب باہم گفتگو ہونے لگی کہ ہمارے کٹرہ میں تو کوئی اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ پورا کمرہ دے دے۔ محلہ کٹرہ کے چند لوگ ملایا میں رہتے تھے، الحاج محمد مظہر صاحب نے فرمایا کہ اس دوران وہ آجاتے تو ایک کمرہ دے سکتے تھے، اس پر الحاج عبد لرشید مرحوم نے فرمایا کہ آپ لوگ محنت کریں انشاءاللہ جامعہ اشرفیہ کے لیے کمرہ ہم ہی دے دیں گے، مگر اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اس کا علم کسی کو نہیں ہونا چاہیے۔ بقول حاجی مظہر اس وقت ہم لوگوں نے ساڑی بننے میں زبردست محنت شروع کی، کتنی راتیں کام کرتے ہوئے گزر گئیں۔ ان دنوں ان کا کام قصبہ مبارک پور کے مشہور برادران الحاج محمد احسان اور الحاج محمد نعمان صاحبان کے یہاں سے تھا۔ جب یہ اندازہ ہوا کہ چند روز میں حضور حافظِ ملت کی قیادت میں چندے والوں کا قافلہ آنے والا ہے تو الحاج محمد یونس وغیرہ نے ان برادران سے فرمایا کہ اس بار آپ چیک نہ دے کر رقم دے دیں کیوں کہ اس بار جامعہ اشرفیہ کے چندے میں ہمارا ارادہ بھی ایک کمرہ دینے کا ہے۔ یہ خوش کن خبر سن کر ان برادران نے نقد رقم دے دی۔

اب وہ وقت آ گیا کہ حضور حافظِ ملت کی قیادت میں قافلہ الحاج عبد الرشید مرحوم کے دولت کدے پر پہنچ گیا۔ اب چندہ شروع ہوا تو ان حضرات نے بغیر کسی امید کے ایک کمرے کی رقم مبلغ چھ ہزار روپے دیتے ہوئے اپنی جانب سے کمرہ بنوانے کا اعلان کیا۔ یہ اعلان سننے کے بعد ہر طرف حیرت و استعجاب کی لہر دوڑ گئی۔ سوال اس رقم کا نہیں تھا، بلکہ اصل مسئلہ اس غربت میں اس کی اہمیت کا تھا۔ آج اگر اتنا بڑا ہال تعمیر کرایا جائے تو قریب دس لاکھ روپے خرچ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول ﷺ کے طفیل اس خاندان کو اسی طرح نوازا بھی ہے۔

الحاج محمد یونس انصاری مرحوم کی اب کئی نظمیں "کمرے والی" ہو گئی تھیں، چند روز کے بعد یہ نورانی قافلہ الحاج احسان برادران کے مکان پر پہنچا، اس موقع پر چیرمین صاحب نے ایک انتہائی ولولہ انگیز کلام لکھا، اس کا ایک بند حسب ذیل ہے۔

یوں ہی عزم رہے جواں زندہ باد　　دین کے محسن و پاسباں زندہ باد
التجا ہے ہماری یہ نعمان سے　　کر دے کمرہ عطا کہہ دو احسان سے
رکھ لے بھائی کی بھائی زباں، زندہ باد　　دین کے محسن و پاسباں زندہ باد

بڑی عقیدت و محبت سے ان برادران نے کمرہ دیا اور بھی بہت کچھ دیا۔ الحاج محمد یونس انصاری اور ان کے اہلِ خانہ کل بھی چندہ دینے میں بے مثال تھے، آج بھی ہیں اور انشاء اللہ آئندہ بھی رہیں گے۔

جامعہ اشرفیہ کی مجلسِ شوریٰ کے رکن: ہمارے چیرمین مرحوم ہر دور میں اشرفیہ کے ہم درد وغم گسار رہے ہیں۔ ہر مشکل وقت میں آپ اشرفیہ کے معاون و مددگار رہے ہیں، اس تعلق سے چند باتیں نوٹ کرتے ہیں۔

ایک بار جامعہ اشرفیہ کے طلبہ کا کوئی معاملہ سامنے آیا، تھانہ مبارک پور سے داروغہ جی پولیس کے ساتھ آگئے، گفتگو سننے کے بعد داروغہ جی نے کہا کہ آپ کے طلبہ ادھر ادھر ٹہلتے رہتے ہیں، جگہ جگہ بیٹھ جاتے ہیں، آپ ان پر کنٹرول کریں۔ اس کے جواب میں ایک سینیر مرحوم رکن نے فرمایا بالکل صحیح ہے، ہم ان پر کنٹرول کریں گے۔ اس موقع پر الحاج محمد یونس انصاری بھی بیٹھے ہوئے تھے، انھوں نے بروقت کہا، آپ لوگ کیسی بات کر رہے ہیں، یہاں کوئی لڑکیاں پڑھتی ہیں جنھیں پردے میں رکھا جائے گا؟ یہ سب لڑکے ہیں عصر کے بعد نہیں نکلیں گے تو کیا کمرے میں بند رہیں گے، اگر وہ نکلتے ہیں تو کیا غلط کرتے ہیں، نکلتے ہیں اور نکلتے رہیں گے، ان کی اس بات کے بعد ہر طرف سناٹا چھا گیا آپ نے مزید کہا کہ اگر کچھ ہوتا ہے تو اس کی ذمہ داری داروغی جی آپ کی ہے، آپ اور آپ کی پولیس کنٹرول کرے۔

امسال طلبہ کے داخلے کے ٹسٹ کے بعد سابق چیرمین مرحوم حضرت عزیز ملت کے آفس میں آئے، طرفین سے خیریت دریافت کرنے کے بعد حضرت عزیز ملت نے فرمایا کہ حاجی صاحب کیسے تشریف لائے، اب حاجی صاحب مرحوم نے عرض کیا کہ حضرت ہم خوب جانتے ہیں کہ اشرفیہ کا سارا کام اصول کی روشنی میں ہوتا ہے، مگر ہماری پریشانی یہ ہے کہ لوگ آجاتے ہیں، میں آپ سے خارج طالب علم کا نیا داخلہ کرانے کے لیے نہیں بلکہ اپنی ذمہ داری پوری کرنے کے لیے آیا ہوں۔ اب آپ کی مرضی آپ دوبارہ لیں یا انکار کردیں۔ اس کے بعد حضرت عزیز ملت نے چند ضروری باتیں ارشاد فرمائیں اور اس مبارکپوری طالب علم کے دوبارہ داخلے کا حکم نامہ جاری فرمادیا۔ ہم کہنا یہ چاہتے ہیں کہ حاجی صاحب نے اپنی بات کتنے سلیقے سے رکھی اور حضرت عزیز ملت نے بھی اس کو قبول کیا اور داخلہ بھی لے لیا۔

انجمن اہلِ سنت و اشرفی دار المطالعہ: انجمن اہلِ سنت واشرفی دار المطالعہ دار العلوم اشرفیہ کے ابتدائی دنوں میں قائم ہوا۔ قدیم فارغین اشرفیہ نے اس تعلق سے بڑی محنتیں کیں اور اب وہ علماو مشائخ اپنے کمالات وخدمات کے نقوش چھوڑ کر اپنے آخری سفر پر بھی روانہ ہوگئے۔ ۱۹۷۷ء میں الحاج محمد یونس انصاری مرحوم اس کے جنرل سکریٹری منتخب ہوئے، اس دن سے لے کر آج تک یہ مرکزی انجمن آگے بڑھتی رہی اور اس وقت مبارک پور کی ۲۱/ انجمنیں اس کے زیر نگرانی مصروف عمل ہیں۔ یہ تمام انجمنیں بڑے شوق سے سال بھر عید میلاد النبی ﷺ کے موقع پر نہ صرف ۱۲/ ربیع الاول شریف کو بلکہ قریب ڈیڑھ ماہ تک نعتیہ پروگراموں میں بصد شوق پڑھتی ہیں۔ اسی طرح جشن غوث الوریٰ کا موقع آتا ہے، اس میں خوب پڑھتی ہیں۔ عرسِ حافظِ ملت کے وقع پر چادریں پڑھتی ہیں، شادیوں کی تقریبات میں عشق و محبت میں ڈوب کر سہرے پڑھتی ہیں، مبارک پور کے باہر بھی بڑے ادب و احترام سے پڑھنے کے لیے بلائی جاتی ہیں۔ جشن عید میلاد النبی ﷺ کے موقع پر سالانہ جلسہ سیرت النبی ﷺ کا انعقاد ہوتا ہے، اس کے ساتھ ۱۲/ ربیع الاول شریف کو جلوس عید میلاد النبی ﷺ نکلتا ہے۔ اس کے لیے پہلے ایک میٹنگ ہوتی ہے، ان تمام انجمنوں میں مرکزی انجمن اہل سنت واشرفی دار المطالعہ ہے، اس کے آپ جنرل سکریٹری تھے۔ اجلاس کے تعلق سے عام طور پر ایک خطیب بیرونی ہوتا ہے اور ایک مقامی، دو سال پہلے راقم مبارک حسین مصباحی مدعو تھا۔ آپ کا طریقہ یہ تھا کہ مقامی و بیرونی خطیب کو خوب دیتے تھے، سالانہ میٹنگ میں حاجی صاحب مکمل حساب پیش کرتے تھے کہ گذشتہ سال اتنا بچ گیا تھا۔ اسی طرح سالانہ ناشتہ اور طعام کا انتظام حضرت حاجی صاحب اپنے پاس سے کرتے تھے۔

امسال جلوس عید میلاد النبی ﷺ میں املی والے صحن کے پروگرام میں باضابطہ فرمایا کہ انجمن اہلِ سنت واشرفی دار المطالعہ کا نظم بہت بڑا ہے۔ ۱۹۷۷ء سے ہم اسے دیکھ رہے ہیں، اب میں بوڑھا ہوچکا ہوں،، اب آپ حضرات سے گذارش ہے کہ آپ میں سے کوئی اس پروگرام کو دیکھے تاکہ آئندہ وہ اس کو لے کر چلے۔ اس بات کو حاجی صاحب نے کچھ دیر تک بیان فرمایا، بعد میں لوگوں کے درمیان بھی اس کا چرچا ہوا کہ حاجی احب نے ایسا کیوں فرمایا، مگر لگتا یہی ہے کہ یہ سب کچھ حاجی صاحب نے غیر شعوری طور پر من جانب اللہ فرمایا تھا، اب جو کچھ ہوا آپ دیکھ رہے

ہیں، حاجی صاحب اس دنیا سے تشریف لے گئے، اب یقیناً اس پورے پروگرام کا نظم ونسق کسی اور کے ہاتھ میں آئے گا، اس اہم کام کے لیے وہی منتخب ہوگا جسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ چاہیں گے، ہمیں امید ہے کہ یقیناً کوئی بہتر ہی اس کام کے لیے منتخب ہوگا۔

دیگر اھم خدمات: ملت گرلس اسکول قائم ہوا، اس کی تعمیر وترقی کے لیے بھی آپ نے بڑی محنت فرمائی، اب وہ ملت گرلس کالج ہوگیا ہے۔ اسی طرح محلہ نوادہ میں مدرسہ اشرفیہ سراج العلوم ودار القضا قائم ہوا، اس کی صدارت کی ذمہ داری ملی تھی مگر جلد ہی مستعفی ہوگئے۔

دعوتِ اسلامی کی جانب سے اجتماعی اعتکاف میں بڑا تعاون فرماتے تھے، سالانہ اجتماع میں بھی خوب مدد کرتے تھے، قرب وجوار میں دینی اور سماجی خدمات بھرپور انجام دیتے تھے۔

ریشمی وستر ادیوگ ویاپار منڈل کے مسلسل صدر یا سکریٹری رہے۔ عرصہ ہوا جب مبارک پور کے ساڑی کے بڑے تاجر بنارس جاتے تھے، کئی بار گاڑیوں کو لوٹا گیا، ان حالات میں یہ کمیٹی مبارک پور میں وجود میں آئی اور الحاج محمد یونس مرحوم نے یہ نظم کرایا کہ دو پولیس والے باضابطہ بنارس جاتے تھے، ان کے علاوہ ہر علاقے سے اپنی اپنی حد میں پولیس گاڑیاں چلتی تھیں۔

آپ ایک بار چیرمین اور ایک بار وائس چیرمین رہے، آپ نے ان عہدوں پر رہ کر بھی اہم خدمات انجام دیں۔

اعزازات اور ایوارڈز: وائس چیرمین الحاج محمد یونس انصاری مرحوم نے دین وسنیت اور سماج وسیاست کے لیے بے پناہ قربانیاں دیں، ان کی اہم خدمات کا قصبہ مبارکپور اور قرب وجوار میں اعتراف بھی کیا گیا، متعدد مقامات پر ان کی صدارتوں میں پروگرام ہوتے رہے، بلکہ سچی بات یہ ہے کہ دین وسنیت کے ہر مشکل مقام پر لوگ ان سے رابطہ کرتے اور وہ لبیک کہہ کر کھڑے ہوجاتے اور اہلِ سنت کی مشکلات حل ہو جاتی تھیں۔ انھیں متعدد مقامات پر عزت واحترام سے سرفراز کیا گیا۔ بروقت تمام اعزازات کی تفصیل ہمارے سامنے نہیں ہے۔ چند ایوارڈ کی مختصر روداد ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

(۱) **حافظِ ملت ایوارڈ (۲۰۰۳ء)** انجمن اہلِ سنت و اشرفی دار المطالعہ کی پچیس سالہ مخلصانہ خدمات کے اعتراف میں من جانب: تنظیم فدایانِ حضور حافظ ملت بڑی ار جنٹی مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ

(۲) **سلور جبلی ایوارڈ (۲۰۰۳ء)** دینی، ملی اور جماعتی خدمات کے اعتراف میں
من جانب: انجمن گلزارِ مصطفیٰ محلہ پورہ رانی مبارک پور ضلع اعظم گڑھ

(۳) **حافظِ ملت ایوارڈ (۲۰۰۷ء)** نعتیہ شعری خدمات کے اعتراف میں
من جانب: تنظیم فدایانِ حضور حافظِ ملت بڑی ارجنٹی مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ

(۴) **محسنِ ملت ایوارڈ (۲۰۱۴ء)** دینی، ملی اور جماعتی خدمات کے اعتراف میں
من جانب: تنظیم اہلِ سنت محلہ پورہ رانی، مبارک پور۔

(۵) **حافظِ ملت ایوارڈ۔ (۲۰۱۴ء)** (چاندی سے بنی نعل پاک مصطفیٰ ﷺ) ۳۶ر سالہ دینی ملی وسماجی خدمات کے اعتراف میں
من جانب: تنظیم حسانِ رسول مشن، محلہ پرانی بستی، مبارکپو۔

(۶) **حضرت محبوب الٰہی ایوارڈ (۲۰۱۵ء)** من جانب انجمن فیضِ عام، محلہ پورہ رانی، مبارک پور۔

مرحوم کے وصالِ پر ملال کے بعد متعدد اخبارات میں تعزیتی خبریں شائع ہو رہی ہیں، مبارک پور کی انجمنوں کی جانب سے تعزیتی پروگرام ہو رہے ہیں، جیسے انجمن غوثیہ پرانی بستی، انجمن ہاشمیہ پورہ صوفی وغیرہ اور یہ سلسلہ مسلسل جاری ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ اپنے رسول ﷺ کے طفیل الحاج محمد یونس انصاری مرحوم کے گناہوں کو معاف فرمائے، ان کی مغفرت فرمائے، اہلیہ محترمہ اور تمام اعزہ واقارب کو صبر وشکر کی توفیق خیر عطا فرمائے۔ آمین ☆☆☆

[نوٹ: جن حضرات کے پاس الحاج محمد یونس انصاری مرحوم کے تعلق سے کوئی معلومات یا ان کا کلام ہو وہ برائے کرم راقم تک پہنچانے کی زحمت گوارا کریں۔ از: مبارک حسین مصباحی]

مظاہر قدرت

علمی تحقیق

مولانا حبیب اللہ بیگ ازہری

اللہ ہمارا خالق ہے، ہمارے اعمال وافعال کا خالق ہے، ہمارے علم وعمل کا خالق ہے، ہماری عقل وخرد کا خالق ہے، ہماری فکر ونظر کا خالق ہے، ہمارے شعور وآگہی کا خالق ہے، ہماری زبان وبیان کا خالق ہے، ہماری عزت وناموس کا خالق ہے، ہماری شرافت وبزرگی کا خالق ہے، غرضیکہ ہماری ہر ہر خوبی اور کمال کا خالق ہے، سچ فرمایا خالق لم یزل عزوجل نے: وَ مَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۔ تمھارے پاس جو بھی نعمتیں ہیں وہ اللہ ہی کی جانب سے ہیں۔

اللہ صرف ہمارا ہی نہیں بلکہ ساری کائنات کا خالق ہے، زمین کا بچھونا، آسمانوں کا شامیانہ، طبق در طبق آسمان، تہ بہ تہ زمین، افلاک میں گردش کرتے سیارے، چمکتے چاند وسورج، جھلملاتے ستارے، فلک بوس پہاڑ، موجزن سمندر، خوب صورت جھرنے، نرم خرام ہوئیں، سر سبز وشاداب وادیاں، جنگلوں میں بسنے والے درندے، فضاؤں میں پرواز کرنے والے پرندے، سمندروں میں تیرنے والے جانور، خشکیوں میں رہنے والے حیوانات وبہائم غرضیکہ ساری کائنات اسی خلاق اکبر کی تخلیق ہے: فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ رَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۶﴾ وَ لَهُ الْكِبْرِیَآءُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۪ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۔ تمام تعریفیں اسی اللہ کے لیے ہیں جو آسمانوں کا رب ہے، جو زمینوں کا رب ہے، اور جو سارے عالمین کا رب ہے، آسمانوں اور زمینوں میں کبریائی اسی کو زیب دیتی ہے، غلبہ وحکمت اسی کے لیے ہے۔

یوں تو کائنات کا ہر ذرہ اس کی قدرتوں کا عظیم مظہر ہے، تاہم بعض چیزیں ایسی ہیں کہ جنھیں دیکھنے کے بعد ہمیں اپنی ہی آنکھوں پر یقین نہیں آتا، عقل حیرت واستعجاب کے عالم میں ڈوب جاتی ہے، زبان سے بے اختیار تسبیح نکلتی ہے، اور دل اس بات کا معترف ہوجاتا ہے کہ یہ کائنات یوں ہی وجود میں نہیں آسکتی، بلکہ اس کائنات رنگ وبو کا ایک خالق ہے اور وہی ہر شی پر قادر ہے۔ فرمایا:

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۫ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا ۙ وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ وَ النُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۔

تمھارا رب وہی ہے جس نے چھ دن کے مختصر سے عرصے میں آسمان وزمین کو پیدا فرمایا، پھر عرش پر استوا فرمایا، دن کو رات سے اور رات کو دن سے چھپا دیتا ہے، اس نے چاند وسورج اور ستاروں کو پیدا فرمایا، سب اس کے حکم کے پابند اور تحت تصرف ہیں، وہی خالق ہے، وہی حاکم ہے، اور وہی سارے جہانوں کا رب ہے۔

ہم اس مختصر سے مقالے میں بعض ایسے مظاہر قدرت پیش کریں گے جو خلاق اکبر کی بے مثال تخلیق پر روشن دلائل کی حیثیت رکھتے ہیں، اور جنھیں دیکھنے کے بعد ہر ذی شعور بندہ یہی کہتا نظر آتا ہے کہ:

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْۤ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ ؕ اِنَّهٗ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ

یہ اس پروردگار عالم کی تخلیق ہے جس نے ہر شی کو بنایا، اور محکم طریقے پر بنایا، اور وہ ہمارے کاموں سے باخبر ہے۔

اللہ کے حکم سے پتھروں کا سینہ چاک ہوجاتا ہے:

اللہ رب العزت سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۷۴ میں فرماتا ہے:

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِیَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَ اِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا یَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا یَشَّقَّقُ فَیَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا یَهْبِطُ مِنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۔

بنو اسرائیل میں ایک دفعہ قتل کا واقعہ پیش آیا، جس میں مقتول کی لاش تو مل گئی لیکن قاتل کا سراغ نہیں ملا، بنو اسرائیل کی درخواست پر حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کے پاس وحی آئی کہ مقتول کے ورثہ کو حکم دو کہ وہ ایک گائے ذبح کریں، اور اس کے کسی جز سے مقتول کو ماریں، وہ مقتول زندہ ہوکر اپنے قاتل کا نام بتادے گا، حکم کی تعمیل ہوئی، مقتول نے زندہ ہوکر قاتل کا نام بتادیا۔

خلاق اکبر نے اس واقعہ کو ذکر کرنے کے بعد بنو اسرائیل کو مخاطب کرکے فرمایا کہ میری عظیم نشانیوں کو دیکھنے کے باوجود تمھارے

دل پتھروں کی مانند سخت ہوگیے، بلکہ پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہوگیے، کیوں کہ بعض پتھر وہ ہیں جن سے نہریں جاری ہوجاتی ہیں، اور بعض پتھر وہ ہیں جو شق ہوتے ہیں اور ان سے چشمے ابل پڑتے ہیں، اور بعض پتھر وہ ہیں جو خدائے ذوالجلال کے خوف سے ٹوٹ پڑتے ہیں، پتھر تو متاثر ہوجاتے ہیں لیکن تمھارے دل نصیحت پذیر نہیں ہوتے، اللہ تمھارے کاموں سے بے خبر نہیں۔

اس آیت مبارکہ میں یہود کی قساوت قلبی کو پتھروں سے تشبیہ دی گئی، اس تشبیہ ہی سے صاف ظاہر ہے کہ پتھر انتہائی سخت اور مضبوط ہوتے ہیں اور کسی بھی قسم کے خارجی اثر کو قبول نہیں کرتے، تجربہ شاہد ہے کہ پتھر لوہے سے زیادہ سخت ہوتے ہیں، کیوں کہ لوہے کو جلایا جائے تو نرم ہوجاتا ہے، اور اس نرم لوہے کو ڈھال کر مختلف قسم کے اوزار بنائے جاسکتے ہیں، جب کہ پتھر نہ نرم ہوتے ہیں، نہ پگھلتے ہیں، نہ ہی ان کو ڈھالا جاسکتا ہے۔ اور یہ محض تجربہ نہیں بلکہ قرآن مجید کی آیتیں اس حقیقت کی توثیق کرتی ہیں، اللہ وحدہ لاشریک نے لوہے کی قوت وطاقت بھی بیان فرمائی، اور لوہے کے پگھلنے اور موم ہونے کا بھی ذکر فرمایا۔

سورۃ الحدید کی آیت نمبر ۲۵ میں فرمایا:

وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ۔

ہم نے لوہے کو پیدا کیا، اس میں لوگوں کے لیے سخت قوت اور بڑے فائدے ہیں۔

سورۃ سبا کی آیت نمبر ۱۰ — ۱۱ میں فرمایا:

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ؕ یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَهٗ وَ الطَّیْرَ ۚ وَ اَلَنَّا لَهُ الْحَدِیْدَ ۝ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّ قَدِّرْ فِی السَّرْدِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ۔

ہم نے داؤد کو فضل وشرف سے نوازا، اور پہاڑوں کو حکم دیا کہ ان کے ساتھ تسبیح کرو، پرندوں کو ان کے لیے مسخر کردیا، ان کے لیے لوہے کو نرم کردیا، اور اس بات کا حکم دیا کہ کامل زرہیں بناؤ، اور عمدہ طریقے پہ بناؤ، اور نیک کام کرو، تمھارے اعمال میرے پیش نظر ہیں۔

ان دونوں آیات کا ماحصل یہ ہے کہ لوہا سخت ضرور ہوتا ہے لیکن پگھلنے پر نرم ہوجاتا ہے، اور مختلف صورتوں میں ڈھل جاتا ہے، جب کہ پتھر نہ پگھلتا ہے نہ نرم ہوتا ہے، نہ ہی اس کو مختلف صورتوں میں ڈھالا جاسکتا ہے۔

قربان جائیے خلاق اکبر کی لامتناہی قدرتوں پر کہ جو پتھر لوہے سے زیادہ سخت ہے، جو پتھر کسی بھی خارجی اثر کو قبول نہیں کرتا، جو پتھر اپنی صلابت وسختی کی وجہ سے کسی بھی جاندار کی زندگی کو خطرے میں ڈال دیتا ہے، وہی پتھر اللہ کا حکم پاتا ہے تو شق ہوجاتا ہے، پھر کبھی اس سے نہریں جاری ہوتی ہیں تو کبھی اس سے چشمے ابل پڑتے ہیں، سلسلہ یہیں پر ختم نہیں ہوتا بلکہ جب اس پر خدا کا خوف غالب آتا ہے تو وہ پتھر فلک بوس عمارتوں کی چھتوں سے اور پہاڑوں کی بلندیوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر زمین پہ آگرتے ہیں، اور اپنے مخصوص لب ولہجہ میں اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِیْهِنَّ ؕ وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا۔

ساتوں آسمان وزمین اور ان میں رہنے والے جملہ افراد اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں، کائنات کی ہر ہر شی اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے، لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھ سکتے، بے شک اللہ تحمل والا اور بخشنے والا ہے۔

بڑی عظیم قدرتوں کا مالک ہے وہ پروردگار جس کے حکم سے صرف نرم ونازک چیزیں ہی نہیں، بلکہ سخت پتھر، مضبوط چٹانیں اور فلک بوس پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہوجاتے ہیں، اور زبان حال سے اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ:

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا فِیْهِنَّ ؕ وَ هُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝۔

آسمان وزمین اور ان میں پائی جانے والی ہر شی پر صرف ایک اللہ کی حکومت ہے اور وہی ہر شی پر قادر ہے۔

تنور سے پانی کا فوارہ جاری ہوگیا:

اللہ تعالی سورۃ ہود کی آیت نمبر ۴۰ میں فرماتا ہے:

حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَ فَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِیْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ وَ اَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ وَ مَنْ اٰمَنَ ؕ وَ مَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلٌ۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال تک تبلیغ کرتے رہے، لوگوں کو حق کی طرف بلاتے رہے، لیکن آپ کی دعوت پر سوائے چند افراد کے کسی نے لبیک نہیں کہا، اللہ رب العزت نے آپ کی جانب وحی بھیجی کہ:

لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَىٕسْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ۚ

جنھیں ایمان لانا تھا لا چکے، اب مزید کوئی مسلمان نہیں ہوگا، لہٰذا اپنی قوم کے معاملے میں غمزدہ نہ ہو، جب حضرت نوح علیہ السلام کو یقین ہو گیا کہ اب کوئی اسلام قبول کرنے والا نہیں رہا تو آپ نے اپنی قوم کے لیے ہلاکت کی دعا فرمادی، آپ کی دعا قبول ہوئی، طوفان آیا، اور سارے کافر تباہ و برباد کر دیے گیے۔

رب کائنات نے طوفان کے آنے کی یہ علامت بیان فرمائی کہ تنور سے فوارہ شروع ہوگا، پھر زمین سے پانی ابل پڑے گا، اور آسمان سے بارش کا قہر نازل ہوگا، اور دیکھتے ہی دیکھتے پوری دنیا اس تباہ کن طوفان کے زد میں آجائے گی، اور سارے کفار و مشرکین نیست و نابود ہو جائیں گے۔

یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ رب کائنات کو جب عذاب بھیجنا مقصود ہوا تو اس نے نہ سمندروں کا انتخاب کیا نہ دریاؤں کا، نہ نہروں کا انتخاب کیا نہ چشموں کا، نہ تالابوں کا انتخاب کیا نہ کنوؤں کا، بلکہ اس نے ایک ایسی جگہ کا انتخاب کیا جہاں نام کو بھی تری نہیں ہوتی، کون نہیں جانتا کہ آگ اور پانی میں تضاد ہے، یعنی جہاں آگ ہوتی ہے وہاں پانی نہیں ہوتا، اور جہاں پانی ہوتا ہے وہاں آگ نہیں ہوتی، اگر کسی جگہ چولہا سلگا دیا جائے تو آگ کی حرارت و تپش کی وجہ سے اس زمین کی نمی ختم ہو جاتی ہے، کہتے ہیں کہ جس زمین میں اینٹیں تیار کی جائیں وہ زمین کاشت کے لائق نہیں رہتی، کیوں کہ پیہم آگ جلنے کی وجہ سے اس زمین کی نمی ختم ہو جاتی ہے، یہ سب کچھ اس لیے ہوتا ہے آگ پانی میں تضاد کی نسبت ہے، دونوں کا ایک ساتھ جمع ہونا عادۃً محال ہے، لیکن اس نظام کائنات کو دیکھ کر کوئی یہ نہ سمجھے کہ اللہ اس کے برعکس پر قادر نہیں، اللہ تو ہر شی پر قادر ہے، وہ لپیٹ مارتی آگ سے طوفان بپا کرنے پر بھی قادر ہے، اور سمندروں میں آگ لگانے پر بھی قادر ہے، ہماری پیش کردہ آیت میں اس بات کی صراحت ہے کہ اللہ کا حکم پاکر برسوں پرانے تنور سے پانی کا فوارہ نکل پڑا، اور سورۃ التکویر کی ابتدائی آیات میں ہے کہ:

وَ اِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۖ

جب قیامت کا وقت قریب ہوگا تو سمندروں میں آگ لگادی جائے گی۔

اگر دنیا کی تمام طاقتیں اکٹھا ہو کر کسی چھوٹے سے کنوئیں میں آگ لگانا چاہیں تو یہ ان کے بس کا سودا نہیں، کیوں کہ بندوں کے لیے آگ پانی کا جمع کرنا ممکن نہیں، لیکن اللہ کے لیے کوئی مشکل مشکل نہیں، اس لیے جب قیامت کا دن ہوگا تو اس خدائے وحدہ لاشریک کے ایک حکم کن پر تین چوتھائی زمین کو محیط پانیوں سے لبریز سمندروں سے آگ کے شعلے اٹھنے لگیں گے، اور دنیا تباہ و برباد ہو جائے گی۔

کتنے نادان ہیں وہ لوگ جو ایسے قاہر و حکیم کو خدا کو چھوڑ کر کبھی خود تراشیدہ بتوں کے سامنے سر جھکاتے ہیں اور کبھی محبوبان بارگاہ کو اپنا خالق و مالک مانتے ہیں، اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَ اُمَّهٗ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

وہ کافر ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ مسیح ابن مریم ہے، بھلا بتاؤ اگر اللہ مسیح ابن مریم کو ہلاک کرنا چاہے، ان کی ماں کو ہلاک کرنا چاہے، اور سارے اہل زمین کو ہلاک کرنا چاہے تو کون ہے جو اسے اس کے ارادے سے پھیر دے، آسمان و زمین اور ساری کائنات میں بس اسی کی باشاہت ہے، جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے، اور وہی ہر شی پر قادر ہے۔

تروتازہ شاخ سے آگ پیدا کرنا:

سورۃ یٰس کی آخری آیات میں ہے:

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَاۤ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ۔

تمھارا رب وہی ہے جس نے ہرے بھرے درخت سے آگ نکالی، جس سے تم سلگاتے ہو۔

سورۃ الواقعہ کی آیت نمبر ۷۱-۷۲ میں ہے:

اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ۞ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَاۤ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ۞۔

بتاؤ جس آگ کو تم روشن کرتے ہو اس کا درخت کس نے پیدا کیا، تم نے پیدا کیا یا ہم نے؟

عرب کے بیابانوں میں دو درخت پائے جاتے تھے، ایک کا نام مرخ تھا، اور دوسرے کا عفار، عام طور پہ درختوں کی شاخیں تر ہوتی ہیں لیکن اتنی بھی تر نہیں ہوتیں کہ ان کو توڑنے سے پانی کے قطرات ٹپکنے لگے، لیکن یہ دونوں درخت اس قدر تر ہوتے تھے کہ ان کی ٹہنیوں کو توڑتے ہی پانی ٹپکنے لگتا تھا، اس کے باوجود ان دونوں درختوں کی خصوصیت یہ تھی کہ اگر ان میں سے ایک کی تر شاخ لے کر دوسرے کی تر شاخ پہ رگڑا جائے تو ان سے آگ نکلتی تھی اور اس آگ سے ضرورتیں پوری کی جاتی تھیں۔

قرآن کریم نے اس آیت کریمہ کو بعث بعد الموت کے اثبات کے باب میں ذکر کیا ہے، اور اس حقیقت کو واضح فرمایا ہے کہ جو رب ہرے بھرے درخت کی پانی سے تر شاخوں سے آگ پیدا کرنے پر قادر ہے وہ بعث بعد الموت پر بھی قادر ہے، جو رب ہری شاخوں سے آگ نکالنے پر قادر ہے وہ مردہ رگوں میں گرم لہو دوڑانے پر بھی قادر ہے، جو رب ہری شاخوں سے آگ نکالنے پر قادر ہے وہ بوسیدہ ہڈیوں میں زندگی کی حرارتیں بحال کرنے پر بھی قادر ہے، اگر کائنات عالم میں پھیلی ہوئی نشانیوں پر غور کیا جائے، بلکہ خود انسان اپنے وجود پر غور کر لے اور اس میں ودیعت کی ہوئی مختلف صلاحیتوں پر غور کر لے تو دل کے گوشے گوشے سے یہ آواز آئے گی کہ اس کائنات کا خالق ومالک بس ایک اللہ ہے اور کوئی نہیں، فرمایا:

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ؕ اَوَ لَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ۔

ہم لوگوں پر آفاق وانفس میں پھیلی ہوئی نشانیوں کو آشکارا کر دیں گے، یہاں تک کہ انھیں یقین ہو جائے گا یہ قرآن حق ہے۔

فضاؤں میں پرواز کرتے پرندے:

اللہ تعالیٰ سورۃ النحل کی آیت نمبر ۷۹ میں فرماتا ہے:

اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۔

کیا انھوں نے پرندے نہیں دیکھے جو فضاؤں میں اس کے حکم کے پابند ہیں، انھیں اللہ کے سوا کوئی بھی گرنے سے نہیں روک سکتا، بے شک اس میں اہل ایمان کے لیے واضح نشانیاں ہیں۔

اللہ تعالیٰ سورۃ الملک کی آیت نمبر ۱۹ میں فرماتا ہے:

اَوَ لَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّ يَقْبِضْنَ ؕۘ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۭ بَصِيْرٌ۔

کیا انھوں نے اپنے اوپر پرواز کرتے پرندے نہیں دیکھے جو پر پھیلاتے اور سمیٹتے ہیں، انھیں اللہ کے سوا کوئی بھی گرنے سے نہیں روک سکتا، بے شک اللہ سب کچھ دیکھتا اور جانتا ہے۔

پرندے ثقیل جسم کے مالک ہوتے ہیں، اور کوئی بھی ثقیل شی نہ پرواز کر سکتی ہے اور نہ آسمان وزمین کے درمیان معلق رہ سکتی ہے، کیوں کہ زمین میں کشش ثقل ہوتی ہے، جو ہر کثیف جسم کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے، عقل یہی کہتی ہے کہ دیگر حیوانات وبہائم کی طرح پرندوں کی پرواز بھی ناممکن ہونا چاہیے، کیوں کہ وہ ثقیل جسم کے مالک ہوتے ہیں۔

لیکن اس کائنات کا خالق عقل نہیں بلکہ اللہ ہے، جس نے بعض ایسی چیزیں پیدا کیں جنھیں عقل تسلیم کرتی ہے، اور بعض ایسی بھی چیزیں پیدا کیں جو بآسانی عقل میں نہیں آسکتیں، ایسے مقامات پر عقل سر خمیدہ ہو کر یوں عرض گزار ہوتی ہے کہ:

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ۔

مولیٰ تیرے لیے تسبیح وتحمید ہے، ہمارے پاس اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے عطا کیا، بے شک تو ہی علم وحکمت والا ہے۔

اللہ فرماتا ہے کہ اپنے اوپر پرواز کرتے پرندوں کو دیکھو، یہ ہماری عظیم قدرتوں کے خوب صورت مظاہر ہیں، ہم نے انھیں پیدا کیا، پرواز کا طریقہ سکھایا، قوت پرواز عطا کی، ان کے لیے ہواؤں کو مسخر کر دیا، ان کے لیے فضا کو ایسے ہی بنا دیا جیسی مچھلی کے لیے سمندر، جس طرح سمندروں میں مچھلیاں تیرتی ہیں اسی طرح یہ پرندے فضاؤں میں پرواز کرتے ہیں، کبھی پروں کو پھیلاتے ہیں اور کبھی سمیٹتے ہیں، لیکن کبھی نہیں گرتے، انھیں آسمان وزمین کے درمیان محو پرواز رکھنے والا کون ہے؟ ایک اللہ اور کوئی نہیں!!!

جب یہ پرندے فضاؤں پرواز کرتے ہیں تو اسی پروردگار کی تسبیح بیان کرتے ہیں جس نے انھیں قوت پرواز عطا کی، اور ان کے لیے فضاؤں کو مسخر کر دیا، ارشاد باری ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَ تَسْبِيْحَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ۔

کیا دیکھتے نہیں کہ اہل زمین اور اہل آسمان اسی کی پاکی بیان کرتے ہیں، اور فضاؤں میں پرواز کرتے پرندے اسی کی تسبیح کرتے ہیں، سب کو اپنی نماز اور تسبیح معلوم ہے، اللہ ان کے کاموں سے باخبر ہے، آسمان وزمین کی بادشاہت اسی کے لیے ہے، اور سب کو اللہ کے حضور حاضر ہونا ہے۔

گوبر اور خون کے درمیان سے دودھ نکلتا ہے:

اللہ رب العزت سورۃ النحل کی آیت نمبر ۶۶ میں فرماتا ہے:

وَ اِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّ دَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ۔

بے شک تمھارے لیے چوپایوں میں عبرت ہے، ہم تمھیں چوپایوں کے پیٹ سے نکلنے والا ایسا خوش گوار دودھ پلاتے ہیں، جو گوبر اور خون کے درمیان سے نکلتا ہے لیکن اس میں کسی بھی چیز کی

آمیزش نہیں ہوتی۔

دودھ اللہ کی عظیم ترین نعمت ہے، جو طاقت وغذائیت سے بھرپور ہونے ساتھ ساتھ زود ہضم اور خوش ذائقہ ہوتا ہے، دودھ ہی کے ذریعہ بچوں کی نشوونما ہوتی ہے، تقریبًا ہر انسان روزانہ دودھ پیتا اور سیرابی حاصل کرتا ہے، اور اپنے جسم کو قوت بہم پہچانے کے لیے مختلف طریقوں پر دودھ کا استعمال کرتا ہے، دودھ پینے والے تو بہت ہیں لیکن ایسے افراد خال خال ہی ملیں گے جو یہ جاننے کی بھی کوشش کرتے ہیں کہ دودھ کس طرح تیار ہوتا ہے، اور تھنوں میں اترنے سے پہلے کہاں مستقر ہوتا ہے؟ کتب تفاسیر میں ہے کہ جانور کے پیٹ میں پہنچنے والے چارے کے بالائی حصہ سے خون تیار ہوتا ہے، زیریں حصہ فضلات میں تبدیل ہوجاتا ہے، اور انھیں دونوں کے درمیان سے یعنی خون اور گوبر کے درمیان سے دودھ نکلتا ہے، اور وہ بھی اتنا صاف شفاف کہ نہ اس میں خون کی سرخی کی جھلکتی ہے نہ گوبر کی بدبو، نہ اس میں خون کا ذائقہ محسوس ہوتا ہے نہ گوبر کی رنگت، اور جس طرح خون، گوبر اور دودھ کی ظاہری ہیئت میں کوئی یکسانیت نہیں ہوتی بالکل اسی طرح ان کے باطنی خصائص یعنی ان تینوں کے فوائد ونقصانات میں کوئی مناسبت نہیں ہوتی، حالانکہ سب ایک ہی چارہ سے تیار ہوتے ہیں۔

اللہ وحدہ لاشریک کی اس عظیم قدرت کو دیکھنے کے بعد ہر زبان پہ بس یہی آیت ہوتی ہے کہ:

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ

اللہ بڑی برکتوں والا اور سب سے بہتر بنانے والا ہے۔

دو سمندروں کا پانی:

رب ذوالجلال سورۃ الفرقان کی آیت نمبر ۵۳ میں فرماتا ہے:

وَ هُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّ هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا۔

اللہ وہی ہے جس نے دو سمندروں کو ملادیا، یہ انتہائی شیریں وہ نہایت ترش، اور ان دونوں کے درمیان ایک عظیم آڑ اور سخت رکاوٹ بنادی ہے۔

سورۃ الرحمن کی آیت نمبر ۱۹-۲۱ میں فرمایا:

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۝ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۔

اللہ نے دو سمندروں کو اس طرح ملا رکھا ہے کہ ان کے درمیان ایک آڑ ہے جس کے بسبب ایک سمندر کا پانی دوسرے پر غالب نہیں آسکتا۔

ان آیات میں دو سمندروں کے پانیوں کے ملنے اور باہم ملنے کے باوجود اپنی اپنی ہیئت پر برقرار رہنے کا ذکر ہے، مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مذکورہ آیات میں بحرین سے مراد دو سمندر نہیں بلکہ ایک سمندر اور ایک دریا ہے، کیوں کہ دنیا میں کہیں بھی ایک سمندر کا پانی دوسرے سمندر میں آکر نہیں ملتا، مزید یہ کہ قرآن نے ایک پانی کو شیریں اور دوسرے کو ترش کہا، اور یہ حقیقت سب کو معلوم ہے کہ سمندر کا پانی کھارا ہی ہوتا ہے میٹھا نہیں ہوتا، لہٰذا یہاں بحرین سے ایک سمندر اور ایک دریا مراد ہے، دو سمندر مراد نہیں۔

سمندری پانی میں دریائی پانی کے ملنے کی جو کیفیت ہے وہ دیکھنے اور سننے سے تعلق رکھتی ہے، دنیا میں مختلف مقامات پر ان پانیوں کے باہم ملنے کے خوب صورت مناظر دیکھے جاسکتے ہیں، مصر میں دریائے نیل کا پانی سمندر میں جاگرتا ہے، عراق میں دریائے دجلہ کا پانی سمندر میں جاگرتا ہے، اور ہمارے ملک عزیز ہندوستان میں کرشنا ندی کا پانی خلیج بنگال میں جاگرتا ہے، کسی بھی ندی یا دریا کے پانی کے سمندر میں ملنے کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ اگر سمندر کا پانی مغرب سے مشرق کی طرف آرہا ہو تو دریا یا ندی کا پانی مشرق سے مغرب کی طرف بہتے ہوئے سمندر میں داخل ہوجاتا ہے، دریا اور ندی کا پانی اپنی سست روی کے ساتھ دھیرے دھیرے سمندر میں پہنچتا ہے، اور الٹے رخ پر بہتے ہوئے کئی کلومیٹر اندر تک چلا جاتا ہے، سمندر کی دیو پیکر موجیں بڑی بڑی کشتیوں کو تو الٹ سکتی ہیں لیکن دریا اور ندیوں سے مخالف سمت میں بہتے ہوئے آنے والے پانی سے بالکل تعرض نہیں کرتیں، یہی وجہ ہے کہ بیچ سمندر میں بھی اس مہمان پانی کا نہ رنگ بدلتا ہے نہ مزہ، اگر اس جگہ پہنچ کر ایک چلو میں سمندر کا پانی لیا جائے اور دوسرے میں دریا کا تو دریا کا پانی میٹھا ملے گا اور سمندر کا کھارا، اور اس خوب صورت نظارہ کو دیکھنے کے لیے نہ کسی سے آنکھیں مستعار لینے کی ضرورت ہے نہ کسی خاص لمحہ کے انتظار کی، بلکہ سال کے بارہ مہینے جو چاہے اور جب چاہے اس عجیب وغریب کرشمہ قدرت کا مشاہدہ کرسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۝ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ

ہم نے دو سمندروں کو اس طرح ملا رکھا ہے کہ ان کے درمیان ایک آڑ ہے جس کے بسبب ایک سمندر کا پانی دوسرے پر غالب نہیں آسکتا۔ (باقی ص:۲۵ پر)

آپ کے مسائل

مفتیِ اشرفیہ مفتی محمد نظام الدین رضوی کے قلم سے

ایک ہی شہر میں دو دن عید منانے کا مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین درج ذیل مسئلہ میں:

ہمارے شہر سنگم نیر ضلع احمد نگر مہاراشٹر میں گذشتہ چار برسوں سے عید دو روز ہوتی ہے، جب کہ پورے مہاراشٹر میں بمشکل تمام چار پانچ جگہ چاند نظر آتا ہے، اسی بنیاد پر شرعی شہادت کا طریقہ استعمال کیا جاتا ہے۔ مہاراشٹر کے مفتیانِ کرام اور علمائے عظام عید کا اعلان فرماتے ہیں۔ ہمارے شہر سے بھی دو تین علمائے کرام اور کچھ باشرع ذمہ داران ناسک وغیرہ جاکر شہادت لاتے ہیں اور تقریباً پورا شہر اسی شہادت پر عید مناتا ہے۔ مگر کچھ حضرات جن کی تعداد تقریباً سوڈیڑھ سو ہے وہ ان علمائے کرام اور باشرع ذمہ داران کی اس شہادت کا انکار کرتے ہیں اور اس روز روزہ رکھ کر دوسرے دن عید مناتے ہیں۔ جب کہ سنگم نیر شہر کے سنی مسلمانوں کی تعداد تقریباً دس ہزار ہے۔ یہ حضرات ایک مفتی صاحب کے مرید ہیں۔ ان حضرات کا کہنا یہ ہے کہ اگر ہم نے چاند نہیں دیکھا تو ہم تیس کی گنتی پوری کریں گے اور اس دن روزہ رکھ کر دوسرے دن عید منائیں گے، جس کی وجہ سے پورے شہر میں انتشار پیدا ہو جاتا ہے، بلکہ بعض باپ بیٹوں میں بھی دراڑ پیدا ہو جاتی ہے۔ مفتی صاحب ہر سال چندہ کرنے کے لیے رمضان المبارک میں آتے ہیں۔ جب ان سے اس تعلق سے سوال کیا گیا کہ شہر میں چار سال سے یہ معاملہ چل رہا ہے تو انھوں نے فرمایا: کیوں شہادت کے پیچھے بھاگے بھاگے پھرتے ہو، جب چاند نہیں دیکھا تو تیس کی گنتی پوری کرو۔ پھر ان سے سوال کیا گیا کہ جن لوگوں نے شرعی شہادت کو تسلیم نہ کرتے ہوئے روزہ رکھا اور جن لوگوں نے علمائے کرام اور باشرع ذمہ داران کی شہادت اور اعلان مانتے ہوئے عید منائی ان دونوں فریق میں حق پر کون ہے؟ تو جواب ملا کہ ”جن لوگوں نے شریعت پر عمل کرتے ہوئے روزہ رکھا وہ حق پر ہیں اور پورے مہاراشٹر کے مفتیانِ کرام و علمائے کرام جنھوں نے شریعت کے خلاف عید منائی وہ غلط ہیں۔“

اب اس پس منظر میں آپ سے گذارش ہے کہ شرعی نقطۂ نظر سے ہماری صحیح رہ نمائی فرما کر واضح فرمائیں کہ حکم شرعی اور حق و صواب کیا ہے۔

بینوا توجروا

الجواب

فتاویٰ رضویہ جلد چہارم ”رسالہ طرق اثباتِ ہلال“ میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے اثباتِ ہلال کے سات طریقے لکھے ہیں:

(۱) شہادتِ رویت، یعنی چاند دیکھنے والے کی گواہی۔

(۲) شہادت علی الشہادت، یعنی گواہوں نے چاند خود نہ دیکھا بلکہ دوسرے دیکھنے والوں نے ان کے سامنے گواہی دی اور اپنی گواہی پر انھیں گواہ کیا، اب انھوں نے اس گواہی کی گواہی دی۔ یہ وہاں ہے کہ اصل گواہ حاضری سے معذور ہوں۔

(۳) شہادۃ علی القضا (۴) کتاب القاضی الی القاضی

(۵) استفاضہ

(۶) اکمال عدت یعنی جب ایک مہینے کے تیس دن کامل ہو جائیں تو ماہ متّصل کا ہلال خود ہی ثابت ہو جائے گا اگرچہ اس کے لیے رویت، شہادت، حکم، استفاضہ وغیرہ کچھ نہ ہو کہ مہینہ تیس سے زائد کا نہ ہونا یقینی ہے۔

(۷) حوالیِ شہر کے دیہات والوں کے واسطے مخصوص صورت میں توپوں کے گولے یا ڈھنڈورا وغیرہ پیٹنے کی آواز۔

(فتاویٰ رضویہ، ج:۴، ص:۵۴۶ تا ۵۵۴)

یہ ایک اختصار ہے تفصیل کے لیے، مذکورہ صفحات کا مطالعہ کریں۔

اس بیان سے عیاں ہے کہ چاند کا ثبوت صرف چاند دیکھنے اور تیس کی گنتی پوری کرنے میں منحصر نہیں، بلکہ ان دونوں کے درمیان پانچ طریقے اور ہیں اور اکمال عدت تو چھٹا طریقہ ہے۔ لہٰذا اگر مسلمان شہادت رویت حاصل کرتے ہیں تو یہ اثباتِ ہلال کا پہلا طریقہ ہے اور اگر دوری کی وجہ سے گواہ حاضر نہ ہو سکیں اور علما ان سے

شہادۃ علی الشہادۃ لیں تو یہ اثبات ہلال کا دوسرا طریقہ ہے، یہ طریقہ اسی وقت اپنایا جاتا ہے جب اصل گواہان کسی عذر کے باعث حاضر نہ ہو سکیں۔ مثلاً تقریباً ۱۳۰ر کلو میٹر یا اس سے زیادہ کے فاصلے پر ہوں۔ درِ مختار میں ہے:

الشهادة على الشهادة مقبولة و ان كثرت استحساناً في كل حق على الصحيح الا في حدود و قصاص بشرط تعذر حضور الأصل بمرض أو سفر واكتفى الثاني بغيبته بحيث يتعذر ان يبيت أهله واستحسنه غير واحد وفي القهستاني والسراجية و عليه الفتوىٰ واقره المصنف.

یعنی گواہی پر گواہی مقبول ہے، اگرچہ یکے بعد دیگرے کتنے ہی درجے تک پہنچے، مثلاً گواہان اصل نے زید و عمرو کو گواہ بنایا، انھوں نے اپنی اس شہادت علی الشہادت پر بکر و خالد کو گواہ کر دیا، پھر بکر و خالد نے اپنی اس شہادت علی الشہادت پر سعید و حمید کو شاہد بنا لیا وعلیٰ ہذا القیاس اور مذہبِ صحیح پر یہ امر حدود قصاص کے سوا ہر حق میں جائز ہے۔ اس شرط سے کہ جس وقت قاضی کے حضور ادائے شہادت ہوئی اس وقت وہاں اصل گواہ کا آنا مرض یا سفر یا زن پردہ نشیں ہونے کے باعث متعذر ہو اور امام ابو یوسف کے نزدیک تین منزل دور ہونا ضرور نہیں، بلکہ اتنی دوری کافی ہے کہ گواہی دے کر رات کو اپنے گھر نہ پہنچ سکے، بکثرت مشائخ نے اسی قول کو پسند کیا اور قہستانی و سراجیہ میں ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے، مصنف نے اسے مسلم رکھا۔

(فتاویٰ رضویہ، ج:۴، ص:۵۴۹، ۵۵۰، رضا اکیڈمی)

دور دراز کے کسی شہر میں چاند ہو تو وہاں جا کر شہادت لانا فرض یا واجب نہیں، مگر یہ عمل ناجائز و گناہ بھی نہیں کہ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ میں دوسری جگہ سے شہادت لانے کو ممنوع نہیں قرار دیا گیا، عامۂ بلادِ ہند میں علمائے اہلِ سنت کا یہ معمول ہے کہ آدمی بھیج کر دوسرے شہر سے شہادت منگاتے اور اس کے مطابق فیصلہ صادر فرما کر رمضان کے روزے رکھتے اور عید کرتے کراتے ہیں۔ اور شہادۃ علی الشہادۃ تو دور دراز کے شہر سے -جو قاضی کے حدود قضا سے باہر ہو- ہی سے حاصل کی جاتی ہے، جس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کم از کم دو گواہ جا کر شاہد بن کر آئیں اور شہادت دیں، اس لیے یہ بات کہنا نامناسب ہے کہ:

"کیوں شہادت کے پیچھے بھاگے بھاگے پھرتے ہو۔"

اگر آج ہمارے علما ایسا نہ کریں تو بہت سے عوام اہل باطل کے یہاں جا کر عید کی نماز پڑھ لیں گے اور اس کے نتیجے میں کتنے ایسے ہوں گے جو اپنا ایمان و عقیدہ بھی خراب کر سکتے ہیں، اس لیے جہاں علما حصول شہادت کے لیے دوسرے شہر جاتے اور شریعت کے مقررہ طرق میں سے کوئی ایک طریقہ اپنا کر چاند کا فیصلہ کرتے ہیں تو اسے سب کو قبول کرنا چاہیے۔

علما کا کام شریعت کے مطابق فیصلہ و عمل ہے، ہر ایک سے منوانا اور عمل کرانا ان کی ذمہ داری نہیں، اس لیے اگر کچھ لوگ علما کے فیصلۂ ہلال پر عمل نہ کر کے "اکمالِ عدّت" کے بعد عید کرنا چاہتے ہیں تو انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیں، ان سے چھیڑ چھاڑ نہ کریں اور امت کی وحدت و اجتماعیت کو محفوظ رکھنے کی کوشش کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کیا وقف میں تبدیلی جائز ہے؟

میاں بیوی نے باہمی رضامندی سے اپنے مکان کا نصف حصہ مسجد کو وقف کر دیا اور باقی نصف حصہ مدرسہ کو ہبہ کر دیا۔ شوہر کا انتقال ہو چکا ہے، اب بیوی چاہتی ہے کہ موقوفہ مکان کو بیچ کر مسجد اور مدرسے میں اس کی قیمت صَرف کر دی جائے تو کیا ازروے شرع اس کی اجازت ہے؟

الجواب

وہ مکان بیچنا جائز نہیں، جس طور پر وقف ہوا ہے، اسی طور پر مسجد و مدرسہ میں اسے استعمال کریں۔

فتاویٰ عالم گیری میں ہے:

لا يجوز تغيير الوقف عن هيئته فلا يجعل الدار بستانا ولا الخان حماما. واللہ تعالیٰ اعلم

----*----*----*----

فنِ تحریر اور اس کی چند باریکیاں

ڈاکٹر ظہور احمد دانش

زبان کی تدریس کا اہم اور بنیادی مقصد، تحریر و تقریر کے ذریعے، اظہار خیال پر قدرت حاصل کرنا ہے۔ یہ اظہار جس قدر مربوط، واضح، بھر پور اور خوبصورت ہو گا اسی قدر سیکھنے والے کو زبان کا اچھا طالب علم سمجھا جائے گا۔ اظہارِ خیال پر قدرت حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ طالبِ علم کے ذہن میں اس کی معلومات و خیالات کی وسعت کے مطابق الفاظ کا ایک بڑا ذخیرہ محفوظ ہو۔ یہاں ذخیرۂ الفاظ کی موجودگی سے یہ مراد نہیں کہ طالب علم نے کسی لغت یا کسی نصابی کتاب کے آخر میں دی ہوئی لغت سے الفاظ کے معنی رٹ لیے ہوں بلکہ یہ مفہوم ہے کہ اُس کے حافظے میں الفاظ کا جو ذخیرہ موجود ہو، وہ روز مرہ کی تحریر و تقریر میں اسے صحیح طور پر استعمال کرنے پر دسترس بھی رکھتا ہو۔

محترم قارئین! یہاں میں کوئی مقالہ پیش نہیں کر رہا بلکہ اردو کے حوالے سے چند نظائر پیش کر رہا ہوں۔ جس کے ذریعے آپ اپنی بول چال اور تحریر میں مناسب سے بہتر اور بہتر سے بہترین کے مدارج طے کر سکتے ہیں۔

میں چند مثالیں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ جس سے آپ پر یہ بات عیاں ہو جائے گی کہ بعض مرتبہ فقط الفاظ اور اس کے مترادف طالب علم کو بتائے جائیں اور جملے میں اس کا استعمال واضح نہ کیا جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ شاید اردو کے اس طالب علم کے لیے مشکل ہو گی۔ میں آپ کو مثال سے سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں۔ مثلاً اگر کسی طالب علم کو چشم، گوش، گُل، شکم اور دندان کے صرف مترادف الفاظ علی الترتیب آنکھ، کان، پھول، پیٹ اور دانت بتا دیے جائیں تو یہ بات لغت و فرہنگ کے لحاظ سے درست ہو گی لیکن جب تک مختلف عبارتوں یا جملوں کے ذریعے ان کے استعمالات کا فرق ذہن نشین نہ کرایا جائے اوپر بتائے ہوئے معنی روز مرہ کی تحریر و تقریر میں مضحکہ خیز اور بے معنی ثابت ہوں گے۔ طلبہ و طالبات کی نفسیات یہ ہوتی ہے کہ وہ جیسے ہی نئے الفاظ سیکھتے ہیں انھیں اپنی گفتگو یا تحریر میں استعمال کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ اب اگر کوئی طالب علم اوپر دیے ہوئے مترادف الفاظ کی مدد سے چشم، گوش، گل، شکم اور دندان کو استعمال کرے گا تو امکان یہ ہے کہ وہ اس قسم کے جملے بنائے گا۔

☆میری چشم میں درد ہے۔ ☆استاد نے میرے گوش کھینچ دیے۔ ☆گل مسلنا اچھی بات نہیں۔ ☆شکم پھول گیا۔ ☆دندان سے میں شدید درد ہے۔

محترم قارئین: میرا مقصود عمیق بحث میں الجھنا نہیں۔ مذکورہ بالا تمام جملے درست قرار پاتے ہیں۔ کوئی ان الفاظ کو ان جملوں میں اس انداز سے استعمال کرنے کو غلط نہیں کہتا۔ بلکہ اردو کے اساتذہ بھی شاید انھیں درست ہی جانتے ہیں۔ ظاہر ہے جب مدرسین اتفاق کرتے ہیں تو اعتراض کا محل باقی نہ رہا۔ کام کی بات بتاؤں۔ یہ حقیر پُر تقصیر ماہر لسانیات تو نہیں لیکن ادیب اور اہلِ علم کی صحبت ضرور میسر آئی۔ جس کی بدولت چند ایسے نکات اور معلومات ذہن کی تختی پر ثبت ہو گئیں۔ سوچا! قارئین تک پہنچائی جائے۔

یہ بات بھی مشاہدے میں آتی ہے کہ طویل عرصہ فنِ تدریس سے وابستہ اساتذہ بھی ایسے جملوں کی نوک پلک سنوارنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے۔ اُردو ادب ایک وسیع موضوع ہے۔ جس پر دیوان کے دیوان لکھے جاسکتے ہیں۔ خیر اُردو میں بعض الفاظ یا فارسی عربی کے بعض دوسرے الفاظ، تنہا نہیں بلکہ کسی دوسرے عربی یا فارسی لفظ سے مرکب کر کے استعمال کیے جاتے ہیں۔ ہماری ادب کی کتابوں میں اس پر غور کر لیا جائے یا اشارۃً و کنایۃً ہی بیان کر دیا جائے تو اردو بولنے اور لکھنے والے ایسی غلطی سے محفوظ رہتے۔ اب چونکہ ایسے الفاظ مفرد بھی استعمال کیے جاتے ہیں اور اس پر گرفت بھی نہیں۔ میں چند مثالیں آپ کے سامنے پیش کر دیتا ہوں۔

جیسے: ☆ نورِ چشم ـــــــــــــــــــ چشم و چراغ

☆ گوشِ دل ـــــــــــــــــــ ہوش و گوش

☆ رنگِ گُل۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔گل وبلبل
☆ دردِ شکم۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پشت وشکم
☆ دندان شکن۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔لب ودنداں

اب مذکورہ بالاالفاظ پر غور کیجیے۔ میری بات آپ کو سمجھ آجائے گی۔

محترم قارئین!!!اردو تحریروں کا مطالعہ کریں تو ہمیں نئے لکھنے والوں میں قدرے بے احتیاطی نظر آتی ہے۔ مثلاً عام طور پر فارسی کے حاصل مصدر ہمزہ سے لکھے جاتے ہیں، جیسے آزمائش، ستائش افزائش وغیرہ۔یہاں ہمزہ غلط ہے، یہ تمام الفاظ ''یا''(ے) کے استعمال کے ساتھ ہیں۔جیسے آزمایش، ستایش، افزایش وغیرہ۔

محترم قارئین !تحریر لکھنے کے حوالے سے اہم معلومات آپ تک پہنچانے کی کوشش کررہا ہوں۔شعبہ ابلاغ سے تعلق رکھنے والے احباب کے لیے نہایت ہی مفید معلومات ہے۔آپ جب بھی کچھ تحریر کرنے لگیں۔چند اہم نکات ہیں۔جو بنیادی نکات ہیں۔آپ عمل کرلیں گے تو قوی امید ہے کہ آپ بہت سی اغلاط سے محفوظ اور ایک اچھی تحریر رقم کرنے میں کامیاب ہوسکیں گے۔ان ذریں اصول کو ہم درجہ بہ درجہ پیش کررہے ہیں!!!!

پہلی اہم بات !!ہمیشہ جو کچھ لکھیں اسے کم سے کم ایک بار ضرور پڑھ لیں۔جب آپ لکھنے بیٹھتے ہیں تو آپ کا خیال، آپ کے قلم یا کی بورڈ پر انگلیوں کی رفتار سے زیادہ تیز چلتا ہے۔انگلیاں جب خیال کے ساتھ دوڑ لگاتی ہیں۔تو غلطیاں کرجاتی ہیں۔ان میں صرف زبان کی غلطیاں نہیں ہوتیں بلکہ تعداد، معیار، اکائی وغیرہ کی غلطیاں بھی ہوسکتی ہیں۔اگر آپ اپنے لکھے ہوئے کو دوبارہ پڑھ لیں تو ان غلطیوں کو خود ہی ٹھیک کرلیں گے۔یہ بات ایک مثال سے آپ کو سمجھاتا ہوں۔

''ناظرین!کچھ ھی دیر میں آپ کے لیے ایک دلچسپ خاکا پیش کیا جائے گا۔''

اب اس جملے پر آپ غور کریں۔آپ کو کمپوزنگ یا لکھنے کی غلطی نظر آئے گی۔جی ہاں مذکورہ جملے میں لفظ ہی کو ھی لکھا گیا اور لفظ خاکہ کو خاکا لکھا گیا۔تھوڑا سا غور کرلیا جاتا۔یا لکھنے کے بعد ایک مرتبہ پڑھا لیا جاتا تو یہ غلطی سرزد نہ ہوتی۔

دوسری اہم بات: غیر ضروری الفاظ کا استعمال نہ کیجیے۔

اصلاح امّت کے لیے کوشاں افراد ہمارے لیے قابلِ تحسین ہی نہیں بلکہ ہمارے لیے قابل تقلید بھی ہیں۔

غور کیجیے۔مذکورہ عبارت میں ''ہمارے لیے'' دو مرتبہ استعمال ہوا۔ اس کے بنا بھی عبارت اپنے معنیٰ ومفہوم کے اعتبار سے مکمل تھی۔

بہترین ابلاغ وہ ہے جس میں سننے یا پڑھنے والے کو اس بات یا اس تحریر کا مافی الضمیر سمجھ میں آجائے۔

غور کیجیے: مذکورہ بالا عبارت میں ''اس بات یا اس تحریر کا''اور ''میں ''اضافی الفاظ ہیں۔ان کے بغیر بھی بات مکمل ہوسکتی ہے اور مفہوم واضح ہوجاتا ہے۔

تیسری اہم بات: جہاں الفاظ کا چناؤ ایک مہارت ہے۔وہیں ان الفاظ پر مشتمل جملوں کی ترتیب بھی ایک مہارت طلب کام ہے۔ کوشش کریں کہ چھوٹے چھوٹے جملے، چھوٹے چھوٹے پیراگراف میں ہوں، ایک پیرائے میں ایک سے زیادہ باتوں سے اجتناب کریں۔آپ اگر اس اصول پر عمل کریں گے تو اس اصول کی مدد سے آپ کی تحریر میں روانی آجاتی ہے۔اسے پڑھنا آسان ہوجاتا ہے۔ قاری کو بار بار واپس جاکر بات سمجھنے کی تکلیف برداشت نہیں کرنی پڑتی اور سب سے بڑھ کر قاری کا ذہن آپ کی فراہم کردہ معلومات کو قبول کرتا جاتا ہے۔یہاں صرف ایک مثال اس لیے دے رہا ہوں تاکہ آپ کو اندازہ ہوجائے کہ طویل جملے کیسی مشکل پیدا کرسکتے ہیں۔ایک خبر آپ کے لیے پیش کررہا ہوں۔فیصلہ خود کیجیے گا۔

''یاد رہے کہ پاکستان میں جنرل مشرف نے بطور آرمی چیف اپنے صدر بن جانے پر سپریم کورٹ کا فیصلہ آنے سے پیشتر ہی تین نومبر کو آئین معطل کرکے چیف جسٹس افتخار چودھری سمیت عدالت عظمیٰ اور ہائی کورٹوں کے ساٹھ ججوں کو برطرف کردیا تھا جس کے خلاف وکلا اب تک احتجاج جاری رکھے ہوئے ہیں۔''

یہ عبارت پڑھتے ہوئے آپ کو اصل بات کو سمجھنے میں قدرے مشکل پیش آئی ہوگی۔آئیے اب اس عبارت کو اس انداز میں ترتیب دیتے ہیں۔

''یاد رہے کہ تین نومبر کو صدر شرف نے اس وقت آئین معطل کردیا تھا جب وہ بطور آرمی چیف صدر تو بن چکے تھے لیکن سپریم کورٹ کا فیصلہ ابھی تک نہیں آیا تھا۔اسی کے ساتھ انہوں نے چیف جسٹس افتخار چودھری سمیت عدالت عظمیٰ اور ہائی کورٹوں کے ساٹھ ججوں کو بھی برطرف کردیا تھا۔ اس کے خلاف وکلا اب تک احتجاج جاری رکھے ہوئے ہیں۔''

امید ہے کہ آپ پیرا کو ترتیب دینے کا مطلوب سمجھ گئے ہونگے۔

چوتھی اہم بات :جب تحریر لکھیں تو کوشش کریں کہ جملے کے اندر جملہ ترتیب نہ دیں بلکہ چھوٹے چھوٹے جملوں پر اکتفاء کریں۔جتنا طویل جملہ ترتیب دیں گے ۔قاری، فاعل ،مفعول ،ظرفِ زماں و مکاں کے حوالے سے تحریر میں الجھ جائے گا۔

مثال سے سمجھیے !!... ''رمضان المبارک ۱۴۳۷ھ میں انہوں نے پاکستان ،بنگلہ دیش سے نشریات کے آغاز کے ساتھ ساتھ انہوں نے برمنگھم کے رہنے والوں کے لیے بھی انگریزی میں اپنی نشریات کو کچھ اس طرح ترتیب دیا کہ سب ہی نے رمضان میں بہت سی دینی معلومات حاصل کی ''۔

اب اس عبارت کو آپ پڑھیں گے تو آپ کو خود انداز ہ ہوجائے گا کہ قاری کو حقیقی مقصود تک پہنچنے میں کس قدر تکلف سے کام لینا پڑے گا۔اگر آپ کو مشکل پیش آرہی ہے تو ایسی ہی مشکل آپ کی تحریر کا مطالعہ کرنے والے کو بھی پیش آسکتی ہے۔

تو یہ بات ذہن نشین کر لیجیے کہ اردو میں طویل جملے ،خاص طور سے وہ جن میں جملوں کے اندر جملے ہوتے ہیں ، قابل قبول نہیں ہوتے ۔ایسے جملوں کو توڑ کے کئی فقرے بنا لینے چاہئیں۔

پانچویں اہم بات : جب بھی کسی موضوع پر تحریر لکھنے لگیں تو آپ کے پیش نظر یہ بات ضرور ہونی چاہیے کہ جس عنوان کا آپ نے انتخاب کیا اس میں کئی مقامات ،کئی شخصیات ،کئی کتب اور چیزوں کے نام بھی تحریر کا حصّہ بن سکتے ہیں تو ایسے میں کوشش کریں کہ مقامات ، شخصیات اور کتب و چیزوں کے نام درست لکھنے کی کوشش کریں۔اس حوالے سے فقط اپنے حافظے پر اکتفانہ کریں بلکہ اس حوالے سے معاون کتب سے مدد ضرور لیجیے۔کہیں ایسا نہ ہو کہ انشا پردازی کی عمدہ نظیر پیش کرنے کے بعد معلوم ہو کہ موصوف نے اپنی تحریر میں جو نام لکھے ہیں ۔وہ درست نہیں یا جن شہروں کے نام درج کیے ہیں۔وہ غلط ہیں تو یہ مقامِ مدح کی بجائے مقامِ ذم بھی بن سکتا ہے کہ کوئی اسے مطالعہ کی کمی سے بھی موسوم کر سکتا ہے۔چنانچہ ایسے میں کوشش کریں کہ ناموں کے ہجے spellings اور ان کے تلفظ کی درستی کا خیال رکھیے۔

چھٹی بات:جہاں تک ممکن ہو تحریر کرتے وقت، خط لکھتے وقت قواعد املا کا لحاظ رکھنا چاہیے۔

محترم قارئین !میں کچھ چیزیں املا کے حوالے سے آپ کے لیے پیش کر رہا ہوں۔غور کیجیے !!

☆ دھوکا، بھروسا، چکما وغیرہ جتنے ہندی الفاظ ہیں ان سب کے آخر میں '' الف'' ہے ''ہ'' نہیں۔ اس لیے انہیں دھوکہ، بھروسہ، چکمہ وغیرہ لکھنا غلط ہے۔

☆اصل لفظ پروا ہے پرواہ نہیں،اس کے آخر میں ''ہ'' نہیں لکھنی چاہیے۔

☆نون غنّہ جب لفظ کے آخر میں آئے تو اس میں نقطہ نہیں لگانا چاہیے اور اگر بیچ میں آئے تو اس پر الٹا جزم لگانا چاہیے۔

☆یائے معروف کو گول (ی) لکھنا چاہیے جیسے گولی اور یائے مجہول کو لمبی (ے) سے تحریر کرنا چاہیے جیسے گولے لیکن جب کسی لفظ کے درمیان آئے تو اس سے پہلے حرف کے نیچے زیر یا زبر لگانا چاہیے جیسے تِیر، تَیرنا۔

☆ جو حرف واؤ معروف سے پہلے ہو،اس پر پیش (ُ) ضرور لگانا چاہیے جیسے طُور، حُور، نُور وغیرہ۔

☆ وہ عربی الفاظ جن کے آخر میں ہمزہ آتا ہے، وہ الفاظ اردو میں ہمزے کے بغیر لکھے جاتے ہیں جیسے انبیا، اولیا، ادبا، دعا وغیرہ مگر مضاف ہونے کی صورت میں ہمزہ لکھا جائے گا جیسے اولیاء کرام۔

☆چودھری کو بعض لوگ چوہدری لکھتے ہیں یہ غلط ہے، صحیح املا چودھری ہے۔☆معمّا کو تقریباً سب ہی لوگ معمّہ ہی لکھتے ہیں جو غلط ہے، صحیح لفظ معمّا ہے۔

☆ عربی الفاظ کی تانیث عموماً آخر میں ''ہ'' بڑھانے سے بنتی ہے جو اردو میں ''ہ'' پڑھی جاتی ہے جیسے سلیم سے سلیمہ، سلطان سے سلطانہ، عاقل سے عاقلہ وغیرہ، لیکن ہندی یا فارسی الفاظ کی تانیث میں یہ قاعدہ برتنا غلط ہے۔ جیسے خورشید سے خورشیدہ، ہمشیر سے ہمشیرہ، خورشید اور ہمشیر ہی صحیح لفظ ہیں ، بعض لوگ بھاوج کو بھاوجہ بھی کہہ دیتے ہیں حالانکہ بھاوج خود مؤنث ہے۔

محترم قارئین:ادب کے طالبِ علم کی حیثیت سے مطالعہ اور اساتذہ کی شفقت سے فن تحریر کے متعلق معقول معلومات پیش کرنے کی کوشش کی ۔امید ہے کہ آپ پیش کردہ معلومات کو عملی مشق کا حصّہ بنائیں تو تحریر کے حسن میں بہتری پائیں گے۔اپنی قیمتی آرا سے ضرور نوازیئے گا۔☆

نوٹ:اس تحریر سے ادارے کا مکمل اتفاق ضروری نہیں، قارئین اپنے تاثرات بھیج سکتے ہیں۔(ادارہ)

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام، قربانی اور حج

محمد ہاشم قادری مصباحی

انبیاے کرام کی تاریخ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ آپ کے کردار کا تذکرہ دنیا کی تمام معروف کتابوں میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ دنیا کا کون سا خطہ ایسا ہے جہاں کے مسلمان، یہودی اور عیسائی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام سے واقف نہ ہوں؟ دنیا کے اکثر لوگ ان کو اپنا پیشوا اور رہنما مانتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ ان کی اولاد میں سے ہیں۔ ان ہی کی پھیلائی ہوئی روشنی سے دنیا روشن ہے۔ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ۶۷/ بار آیا ہے۔ قرآن مجید میں ایک سورہ کا نام ہی "ابراہیم" ہے۔ آپ کے کردار کو قرآن مجید میں ایک مثالی کردار کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيٓ إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهٗ

ترجمہ: تم لوگوں کے لیے ابراہیم اور ان کے ساتھیوں میں ایک اچھا نمونہ ہے۔ (القرآن، سورہ ممتحنہ ۶۰، آیت ۴)

اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ کون سے بنیادی کام ہیں جن کی بنا پر سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کو مثالی زندگی کے نام سے پیش کیا گیا اور انہیں رہتی دنیا تک کے انسانوں کے لیے رہنما اور پیشوا کی حیثیت سے منتخب کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے تاجِ امت کی سند ملی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ﴿۱۰۸﴾ سَلٰمٌ عَلٰٓى إِبْرَاهِيمَ ﴿۱۰۹﴾ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۱۰﴾ إِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۱﴾

اور ہم نے پچھلوں میں اس کی تعریف باقی رکھی، سلام ہو ابراہیم پر، ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں کو، بے شک وہ ہمارے اعلیٰ درجہ کے کامل الایمان بندوں میں ہیں۔

(القرآن سورہ الصّٰفّٰت، آیت ۱۰۸ سے ۱۱۱)

دوسری سند کا اعلان قرآن فرمارہا ہے: وَإِذِ ابْتَلٰٓى إِبْرَاهِيمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا۔

ترجمہ: ابراہیم کو اس کے رب نے کچھ باتوں میں آزمایا تو اس نے ان کو پورا کر دکھایا۔ خدا نے کہا تم کو لوگوں کا پیشوا وامام بنانے والا ہوں۔ (القرآن سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۲۴)

دوسری جگہ قرآن مجید میں ہے۔ اور یاد فرماؤ ہمارے (مقبول) بندوں ابراہیم، اسحٰق اور یعقوب کو، بڑی قوتوں والے اور روشن دل تھے۔ ہم نے مختص (خاص) کیا تھا انہیں ایک خاص چیز سے اور وہ دارِ آخرت کی یاد تھی اور یہ (حضرات) ہمارے نزدیک چنے ہوئے بہترین لوگ ہیں۔ اور یاد فرماؤ اسمٰعیل، یسع اور ذی الکفل کو۔ یہ سب بہترین لوگوں میں سے ہیں۔ اور یہ نصیحت ہے اور بے شک پرہیز گاروں کے لیے بہت عمدہ ٹھکانہ جنت ہے۔ (القرآن سورہ ص، آیت ۴۴ تا ۴۹)

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آلِ پاک کا ذکر خیر ہو رہا ہے۔ یہ حضرات بڑی قوتوں والے تھے۔ ان کو جسمانی قوتوں کے ساتھ ساتھ یقین کی قوت، اعمال صالحہ بجالانے کی قوت اور روحانی قوت عطا فرمائی گئی تھی۔ اس کے علاوہ انہیں دین کی بصیرت و معرفت الٰہی بھی عنایت کی گئی تھی۔

سیرت ابراہیم علیہ السلام پر غور کرنے سے آپ کے بہت سے اہم کارنامے اور قربانیاں سامنے آتی ہیں۔ چند ملاحظہ فرمائیں۔

توحید کی دعوت: سب سے بڑی قربانی اور اہم کارنامہ آپ کا عقیدہ توحید کی دعوت دینا ہے۔ آپ نے شرک کے گھٹاٹوپ اندھیرے میں توحید کی مشعل روشن کی اور توحید کا ایک فیصلہ کن نظریہ پیش کیا۔ ساڑھے چار ہزار برس سے زیادہ مدت گزر چکی ہے جب توحید کا علمبردار، خداے واحد کا پیغامبر، ابو الانبیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سرزمین عراق میں آنکھیں کھولیں۔ اس وقت پوری دنیا خدائے واحد کو بھول کر سیکڑوں معبودوں کی پرستش کر رہی تھی۔ وہاں کے لوگ سورج، چاند کے علاوہ تاروں کو بھی دیوتا اور معبود مانتے تھے تو آپ نے سب سے پہلے تارے کو نشانہ بنایا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّي۔

ترجمہ: پھر جب ان پر رات کا اندھیرا آیا ایک تارا دیکھا۔ بولے اسے میرا رب ٹھہراتے ہو۔ پھر جب وہ ڈوب گیا تو آپ نے کہا اگر ہدایت نہ دیتا مجھے میرا رب تو ضرور ہو جاتا میں بھی اس گمراہ قوم سے۔

فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّي هٰذَآ أَكْبَرُ ۚ فَلَمَّا

اَفَلَتْ قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ

ترجمہ: پھر جب دیکھا سورج کو جگمگاتے ہوئے (تو) بولے کیا یہ میرا رب ہے (؟) یہ توان سب سے بڑا ہے لیکن جب وہ بھی ڈوب گیا تو آپ نے فرمایا اے میری قوم، میں بیزار ہوں ان چیزوں سے جنھیں تم شریک ٹھہراتے ہو۔

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ

ترجمہ: بے شک میں نے پھیر لیا ہے اپنا رخ اس ذات کی طرف جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو یکسو ہو کر اور میں مشرکوں میں نہیں ہوں۔ حقیقی رب وہ ہے جو مجھے ہر باطل سے بچا کر راہِ حق پر چلا رہا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دلائل کے سامنے وہ لاجواب ہو گئے تو پھر آپ سے جھگڑا کرنے لگے اور زبردست تکلیف دینے لگے۔ اُر کے لوگ تقریباً پانچ ہزار خداؤں کی پوجا کرتے تھے۔ تفصیل کے لئے مطالعہ کریں سر لیونارڈ وولی (Sir Leonard Woolly) کی کتاب ابراہیم (Abraham) جو کہ لندن میں ۱۹۳۲ء میں شائع ہوئی ہے۔

پھر آپ نے ان کو زبردست منھ توڑ جواب دیا جو قرآن کے لفظوں میں اس طرح موجود ہے: اس کی قوم ابراہیم سے جھگڑنے لگی۔ اس نے قوم سے کہا کیا تم لوگ اللہ کے معاملہ میں مجھ سے جھگڑتے ہو؟ حالانکہ اس نے مجھے راہِ راست دکھائی اور تمھارے ٹھہرائے ہوئے خداؤں سے نہیں ڈرتا۔ ہاں اگر میرا رب کچھ چاہے تو وہ ضرور ہو سکتا ہے۔ میرے رب کا علم ہر چیز پر چھایا ہوا ہے پھر کیا تم ہوش میں نہیں آؤ گے۔ (القرآن، سورہ الانعام، آیت ۸۱،۸۰)

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم کے لوگوں کو سمجھاتے رہے لیکن ان لوگوں کے ذہنوں سے دیوی دیوتاؤں کا ڈر نہ نکل سکا۔ وہ یہی سمجھتے رہے کہ ان کی شان میں بے ادبی کرنا اپنی بربادی مول لینا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صاف صاف بتادیا کہ ان کو تو تم اپنے ہاتھ سے بناتے ہو۔ یہ خود تمھارے محتاج ہیں نہ کہ تم ان کے محتاج۔ ان میں اپنی حفاظت کرنے کی سکت تو ہے نہیں، تم کو کیا نقصان یا نفع پہنچا سکتے ہیں۔ اس اعلان توحید کے بعد آپ کو بہت سی آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑا۔ جلاوطنی جیسی آزمائش سے بھی آپ گزرے۔

وادیِ بے آب و گیاہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کارناموں اور قربانیوں میں یہ بھی قابلِ عبرت ہے کہ آپ اللہ کے حکم سے اپنی بیوی اور بڑھاپے میں اکلوتے بیٹے کو ایسی سرزمین میں رکھا جہاں نہ تو بظاہر انسان تھے اور نہ ان کی ضروریات کا سامان تھا۔ ایک وادی غیر ذی زرع تھی جس کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔ سنسان وادی تھی۔ لیکن اب دنیا کے تمام انسانوں کی نگاہ کا مرکز بنی ہوئی ہے۔ یہ شہر مرکز رشد و ہدایت ہے۔ سال میں ایک بار بڑے پیمانے پر مسلمانوں کا ایک عظیم الشان اجتماع ہوتا ہے اور لبیك اللھم لبیك کی صدائیں فضا میں گونجتی ہیں۔ یہ شاد و آباد شہر اور شاد و آباد وادی جو کبھی بے آب و گیاہ کے نام سے موسوم تھی اب دنیا کی توجہ کا مرکز ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خلوص، ان کی تگ و دو اور راہِ خدا میں آزمائش کا بہترین انعام اور نتیجہ ہے۔

بیٹے کی قربانی: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سب سے بڑا کارنامہ اور قربانی یہ ہے کہ اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی کی خاطر انھوں نے اپنی زندگی کی سب سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب چیز اپنے اکلوتے لختِ جگر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی دی اور یہ بتادیا کہ اللہ کے راستے میں ہر چیز کی قربانی دی جا سکتی ہے۔ جیسا کہ قرآن اعلان فرمارہا ہے: تم ہرگز بھلائی کو نہ پہنچوگے جب تک راہِ خدا میں اپنی پیاری چیز نہ خرچ کرو اور تم جو کچھ خرچ کروگے اللہ کو معلوم ہے۔

(القرآن، سورہ آل عمران، آیت ۹۲)

دوسری جگہ ارشاد باری ہے: اللہ کو قربانی کا گوشت، قربانی کا خون نہیں بلکہ اخلاص و تقویٰ پہنچتا ہے۔ (القرآن سورہ الحج، آیت ۳۷)

یہ تقویٰ قربانی کا اصل جوہر ہے جو بندہ مومن کی زندگی میں ہمیشہ نمایاں رہنا چاہیے۔ قربانی اللہ کی عبادت ہے جس کا مقصد اللہ کی رضا حاصل کرنا ہے۔ امت محمدیہ کے علاوہ بھی دیگر سابقہ امتوں پر قربانی واجب تھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اور ہر امت کے لیے ہم نے قربانی مقرر فرمائی تاکہ وہ ذکر کریں اللہ کا اسمِ پاک، ان بے زبان جانوروں پر ذبح کے وقت، جو اللہ نے انھیں عطا فرمائی ہیں۔

(سورہ الحج، آیت ۳۴)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔ بلا جھجک بیٹے نے بھی آمادگی ظاہر فرمادی:

قَالَ یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ

ترجمہ: (حضرت) اسمٰعیل علیہ السلام نے کہا، ابا جان! آپ کو جو حکم دیا جارہا ہے اسے کر ڈالیے۔ آپ ان شاء اللہ مجھے صابروں میں پائیں گے۔ (القرآن سورہ الصّٰفّٰت، آیت ۱۰۲)

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے پوری آمادگی کے ساتھ اللہ کی راہ میں قربان ہونے کے لیے خود کو پیش کر دیا۔

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ (القرآن سورہ الصّٰفّٰت، آیت ۱۰۳)

ترجمہ: توجب ان دونوں نے سر تسلیم خم کر دیا اور ابراہیم نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹایا۔ اس وقت کا حال کوئی کیا بیان کرا ور لکھ سکتا ہے۔ تفسیروں میں بڑی صراحت کے ساتھ لکھا ہے۔ یہ بے شک کھلی آزمائش تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو بچا لیا اور اس قربانی کا بدلہ اور جزا عطا کیا۔ ملاحظہ ہو: بے شک تمیاری قربانی عظیم ہے اور ہم نے پچھلوں میں اس کی تعریف باقی رکھی۔ سلام ہو ابراہیم پر۔ ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں کو۔ تو بے شک وہ ہمارے اعلیٰ درجہ کے کامل الایمان بندوں میں ہیں۔ یہی قربانی آج ہم سب پر سنت ابراہیمی کے طور پر واجب ہے۔ آقائے دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے مدینہ طیبہ کے دس سالہ قیام میں ہر سال قربانی دی اور صحابہ کرام کو قربانی دینے کا حکم فرمایا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قربانی کے دنوں میں آدمی کا کوئی عمل اللہ کے نزدیک خون بہانے (قربانی کرنے) سے زیادہ پسندیدہ نہیں ہے۔ بے شک وہ جانور قیامت کے دن آئے گا اپنی سینگوں اور بالوں اور کھروں کے ساتھ اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے مقامِ قبولیت میں پہنچ جاتا ہے تو اسے خوشی سے کرو۔ (ترمذی جلد ایک صفحہ ۲۷۵)

اے امتِ محمدیہ جانوروں کی قربانی کا حکم صرف تمھیں ہی نہیں دیا گیا ہے بلکہ تم سے پہلے جتنی ہدایت یافتہ امتیں گزری ہیں ان سب کو یہ حکم دیا گیا ہے۔ حکم خداوندی اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں ان لوگوں کا بطلان ہوتا ہے جو کہتے ہیں کہ قربانی اسراف ہے۔ اسلام اور علم دین سے ناواقف اور مادہ پرستانہ ماحول میں پلے بڑھے کچھ مسلمان یہ کہتے ہیں کہ کروڑوں روپے کا سرمایہ محض قربانی پر ضائع کرنے کے بجائے یہ رقم قومی ترقی کے کاموں میں خرچ کی جائے تو ملکی ترقی کے لیے سودمند ہوگا۔

علم دین سے ناواقفیت اور ترقی پسندانہ مزاج نے مسلمانوں کا ایمان اس قدر کمزور بنا دیا ہے کہ اسلام کی خاطر جذبہ ایثار (قربانی کا جذبہ) آہستہ آہستہ ختم ہوتا جارہا ہے۔ یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ قربانی ایک عبادت ہے جس کا مقصد صرف اور صرف اللہ کی رضا حاصل کرنا ہے اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کرنا ہے۔ (مسند ابن ماجہ)

مسلمان غور کریں:

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ ہزاروں یتیم بچوں کی کفالت پر خرچ کی گئی رقم ایک فرض روزہ ترک کرنے کا کفارہ بن سکتی ہے؟ ہرگز ہرگز نہیں۔ کیا ہزاروں مریضوں کے علاج پر خرچ کرنے والی رقم ترکِ حج بیت اللہ کا کفارہ بن سکتی ہے؟ ہرگز ہرگز نہیں! جبکہ یہ تمام کام بڑے اجر و ثواب کے ہیں۔ اسلام میں ان کی بڑی اہمیت ہے۔ ٹھیک اسی طرح ملکی ترقی اور رفاہ عامہ پر خرچ کی گئی رقم اللہ کی راہ میں جانوروں کی قربانی کا کفارہ کبھی نہیں بن سکتی۔

قربانی کی اہمیت و فضیلت: قربانی کے تعلق سے جو لوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں ان کو رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور آپ کی سنت کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں دس سال قیام فرمایا۔ اس سارے عرصے میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی ایک مرتبہ بھی قربانی ترک نہیں فرمائی۔ حتیٰ کہ دورانِ سفر بھی آپ نے قربانی کا اہتمام فرمایا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم سفر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، عیدالاضحیٰ آگئی اور ہم لوگ ایک گائے پر سات اور ایک اونٹ پر دس آدمی شریک ہوئے۔ (ترمذی)

حج الوداع کے موقع پر حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خصوصی طور پر یمن بھیجا جس کا مطلب یہ ہوا کہ اونٹوں کی اتنی بڑی تعداد مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں دستیاب نہ تھی۔ اور پھر یوم النحر جیسے مصروف ترین دن میں اپنے دستِ مبارک سے ترسٹھ (۶۳) اونٹ ذبح فرمائے۔ یقیناً صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس کام میں آپ کی معاونت فرمائی ہوگی۔ اس کے باوجود اونٹ کو قربانی کی جگہ لانے باندھنے اور پھر ذبح کرنے میں اگر کم سے کم پانچ منٹ کا وقت بھی ٹوٹل کیا جائے تو آپ نے اس کام پر پانچ گھنٹے پندرہ منٹ صرف کیے۔ امت کو دینی مسائل اور احکامات سکھائے۔ اور آپ کا یہ فرمانا کہ مناسکِ حج مجھ سے سیکھ لو۔ اس کے کیا معنی ہیں۔ قربانی کی استطاعت رکھنے کے باوجود قربانی نہ کرنے والوں کے بارے میں یہ فرمانا کہ جو قربانی نہ کرے وہ (نمازِ عید کے لیے) ہماری عید گاہ کے قریب نہ آئے۔ آپ کے اس فرمان پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان رکھنے والوں کے لیے آپ کی ذات اقدس بہترین نمونہ ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم دل و جان سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی و اتباع کریں

اور یہ خیال رکھیں کہ وقت آنے پر اللہ کے راستے میں ہر چیز کی قربانی دی جاسکتی ہے اور ہر طرح کی قربانی دینے کے لئے تیار رہیں۔

حج بیت اللہ: حج اسلام کا پانچواں رکن ہے ۹ھ میں حج فرض ہوا اس سے قبل مستحب تھا اس کی فرضیت قطعی ہے جو اس کی فرضیت کا منکر ہو، وہ کافر ہے پوری عمر میں صرف ایک بار حج فرض ہے اسکے علاوہ نفل ہے۔ حج کی فرضیت پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: بیشک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لیے (عبادت گاہ) بنایا گیا وہ گھر جو مکہ میں ہے وہ برکت والا اور دنیا بھر کے لیے رہنما ہے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ابراہیم علیہ السلام کے کھڑے ہونے کی جگہ اور جو اس میں چلا جاتا ہے وہ امن پاتا ہے اور اللہ کے لیے لوگوں پر اس کا حج فرض ہے ان پر جو وہاں پہنچنے کی طاقت رکھتے ہوں جو منکر ہو تو اللہ کو بھی کسی کی کچھ پرواہ نہیں (کنزالایمان)۔

تفسیر ابن عباس میں آیت بالا کی تفسیر اس طرح بیان کی گئی ہے سب سے اوّل مسجد جو خدائے تعالیٰ کی عبادت کے لیے زمین پر بنائی گئی ہے وہ ہے جو مکہ میں ہے یعنی کعبہ شریف وہ مبارک گھر ہے یعنی اس میں مغفرت و رحمت ہے اور سارے جہاں کے لیے سیدھی راہ ہدایت کی بنیاد ہے سب رسولوں، ولیوں، مسلمانوں کی قبلہ گاہ ہے۔

حج کو دنیاوی سفر یا سیر سپاٹے کی طرح نہ لیا جائے انسانی مدارج کو وقار بخشنے کا یہ نظامِ الٰہی ہے۔ حج صرف حرمین طیبین کا سفر ہی نہیں ہے دنیا و مافیھا کی ساری نعمتیں جمع کرنے کا مقدس موقع ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جو کوئی حج کے لیے گھر سے نکلا اور راہ میں موت آجائے اس کے لیے قیامت تک ایک حج ایک عمرہ ہر سال لکھا جاتا ہے اور جو کوئی مکہ معظّمہ و مدینہ منورہ میں انتقال کر جائے وہ قیامت کے دن حساب و کتاب سے پاک ہے (کیمیائے سعادت)

محسن کائنات ﷺ کا فرمان عالی شان ہے جس شخص نے (حج فرض تھا اور باوجود استطاعت کے) حج نہ کیا اور مر گیا اس سے کہہ دو کہ یہودی مرے یا نصرانی مرے (ترمذی)

ایسا حاجی جو دوران حج اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے اپنے کو بچائے رکھا وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے کہ جیسا شکم مادر سے پیدا ہونے کے دن پاک و طاہر تھا (بخاری و مسلم)

حج ایک اہم عبادت ہے تفریحی سفر نہیں کہ جب دل کرے گا اور ہم اپنی سہولت و ضرورت دیکھیں گے تب ہی حج کو جائیں گے، من مانی کی اجازت شریعت نہیں دیتی جیسے ہی آدمی صاحب استطاعت ہوا اسی وقت اس پر حج فرض ہو جاتا ہے، اگر وہ حج کو نہیں جاتا ہے تو گنہگار ہوتا ہے جب حج کرنے کے لائق ہو جائے تو حج فرض ہو جاتا ہے یعنی اسی سال میں اور اب دیر کرنے میں گناہ ہے اور کئی برس نہ گیا تو گنہگار ہے اور اسکی گواہی مقبول نہیں لیکن جب بھی کریگا قضا نہیں ہوگا (قانون شریعت)

حج کے تعلق سے یہ بات دماغ سے نکال دینا چاہیے کہ سارے بچوں کی شادی ہو جائے، خود بوڑھا ہو جائے پھر چلیں حج کرنے، نہ جانے آگے کیا حالات آئیں۔ کمال و زوال زندگی کے ساتھ لگا رہتا۔ لہٰذا حج فرض ہوتے ہی پہلے حج کر لے۔ حج کے سفر میں مدینہ منورہ و روضۂ اقدس کی حاضری ضروری ہے۔

حضور ﷺ کے روضہ اقدس کی زیارت کرنا دین و دنیا میں سر خروئی کا موجب ہے اس کی نسبت خود رسول ﷺ کا ارشاد ہے: مَنْ وَ جَدَ سَعَتَهٗ وَّ لَم یَزُرْنِی فَقَدْ جَفَانِیْ جس کو مدینہ تک پہنچنے کی وسعت ہو اور وہ میری زیارت کو نہ آئے (یعنی صرف حج کر کے چلا جائے) اس نے میرے ساتھ بہت بے مروّتی کی نیز آپ نے فرمایا: مَنْ زَرا قَبْرِیْ وَ جَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِی جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت لازمی ہوگئی۔ آپ نے فرمایا جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی ایسا ہی ہے جیسا کے اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔ علما لکھتے ہیں وہ مقام جو آں حضرت ﷺ کے جسد اطہر سے متّصل ہے عرش و کرسی سے بھی افضل ہے ہر حاجی کے لیے ضروری ہے کہ حج سے فارغ ہو کر روضہ اقدس کی زیارت کو ضرور جائے اگر ممکن ہو تو سواری سے اتر کر جائے، ننگے پاؤں پیدل روتا ہوا عاجزی سے چلے، درود شریف کثرت سے پڑھے الصلوٰۃُ والسلام عَلَیْكَ یاَ رَسُولَ اللہ عرض کرے مدینہ پاک داخل ہونے سے پہلے غُسل کرے ورنہ وضو کر کے صاف ستھرے کپڑے پہنے، خوشبو لگائے اور ادب سے شہر میں داخل ہو اور کثرت سے درود پاک پڑھیں۔ تمام نمازیں مسجد نبوی میں ادا کریں، رات کے اکثر حصہ میں بیدار رہ کر عبادت کریں، مسجد نبوی میں بیٹھ کر قرآن مجید آہستہ آواز سے پڑھے، مسجد نبوی میں اکثر اعتکاف کریں، ممکن ہو تو ہر ستون کے پیچھے نماز پڑھیں، دو رکعت، روضہ اطہر پر اکثر نگاہ ڈالتا رہے، سرکار کی بارگاہ میں کثرت سے درود و سلام پیش کریں، دعائیں مانگیں، اپنے لیے تمام مومنین کے لیے اور اس ناچیز کے لیے بھی دعا مانگیں۔ ☆☆

نقش ماضی

کسریٰ کے دربار میں

انس مسرور ترابی

۱۶ھ کے ابتدائی مہینے ہیں مسلمانوں کا فارس کی راجدھانی مدائن پر قبضہ ہو چکا ہے۔ آج کسریٰ کے سفید محل میں سلطنتِ عجم کے مالکوں کے خدمت گذاروں کا اعلان سننے میں نہیں آتا۔ بلکہ اس کے ایوان عام میں باجماعت نماز پڑھی جاتی ہے ہر طرف مسلمان ہی مسلمان نظر آتے ہیں محل کے اندر بھی اور محل کے باہر بھی، یہی محل تھا جہاں سے رسول اللہ ﷺ کے مشہور صحابی اور قاصد عبداللہ بن حذافہ نکال دیے گئے تھے۔ یہ ۶ھ کی بات ہے خسرو پرویز شاہِ فارس کی خدمت میں اطلاع دی گئی کہ شہر مدینہ سے ایک قاصد آیا ہے۔ آپ سے ملنا چاہتا ہے۔

نوشیرواں کے پوتے نے بڑے تعجب سے پوچھا: مدینے سے؟ کہا گیا! ''ہاں''

شہنشاہوں کے دربار میں سفیر شہنشاہوں، بادشاہوں اور امیروں کی طرف سے آتے ہیں۔ یہ مدینے میں کون سے نئی سلطنت قائم ہوئی ہے۔ جہاں سے اب سفیر بھی آنے لگے۔ یہ بات خسرو پرویز کی سمجھ میں نہ آئی۔ حکم دیا۔ ''قاصد کو ہمارے حضور پیش کیا جائے۔''

عبداللہ بن حذافہ پیش کیے گئے عرب کے صحرا نشیں کا حلیہ، ڈھیلے ڈھالے کپڑے، پھٹے پرانے جوتے۔ لباس میں جگہ جگہ پیوند لگے، شان و طمطراق کا نام بھی نہیں۔ غرور و تکبر سے پاک، یہ سفیر تھا یا فقیر! عبداللہ بن حزافہ کا حلیہ دیکھ کر حاضرین دربار سخت برہم ہوئے اور شہنشاہ کے غصے کا تو کچھ ٹھکانہ ہی نہ رہا۔ اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے شہنشاہ نے اپنے ایک درباری کو مخاطب کر کے کہا پوچھو کیا عرض کرنا چاہتا ہے۔؟ یہ خسرو پرویز نہیں رعونت منھ سے بول رہی تھی۔ درباری نے بڑی حوصلہ شکن آنکھوں سے گھورتے ہوئے کہا۔

''کیا عرض کرنا چاہتے ہو؟''

حضرت عبداللہ بن حذافہ آگے بڑھے اور حضور کا نامۂ مبارک پیش کر دیا۔

''کیا ہے؟ خسرو پرویز نے ناراضی سے پوچھا۔''

عرب میں ایک نبی مبعوث ہوئے ہیں انھوں نے آپ کے نام ایک خط بھیجا ہے۔''

''نبی۔۔۔۔خط۔۔۔۔ہمارے نام۔؟'' خسرو پرویز نے انتہائی غصّہ سے پوچھا اور پھر چلّا کر بولا! ''کیا لکھا ہے اس خط میں؟'' اس کے حکم سے خط پڑھ کر سنایا گیا:

اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے۔ **محمد** رسول اللہ کی طرف سے کسریٰ والیٔ فارس کے نام سلام۔! خط یہاں تک پڑھا گیا ہے کہ خسرو پرویز کا چہرہ تمتما اٹھا۔ شدید غصہ کے عالم میں کانپتے ہوئے ہوئے بولا۔

''شہنشاہ فارس کا نام اپنے نام کے بعد! یہ گستاخی! شہنشاہ عجم کی یہ توہین! اب ہمارے غلام بھی ہمارے منہ آنے لگے۔؟!''

حالانکہ وہ جانتا تھا کہ عرب میں خط لکھنے کا یہی طریقہ ہر جگہ عام ہے مگر اس وقت وہ غرور و تمکنت کا پتلا بارگاہِ نبوی کے سفیر عبداللہ حذافہ کو اپنی شان و شوکت کا جلوہ دکھانا چاہتا تھا۔ بولا ''بادشاہِ ایمن باذان کو آج ہی ہمارا حکم بھیجا جائے کہ ان پیغمبر صاحب کو جنھوں نے ہمیں یہ خط بھیجنے کی جرأت کی ہے، گرفتار کر کے ہمارے حضور میں حاضر کیا جائے۔''

اتنا کہ کر نامۂ مبارک اس نے ہاتھ میں لے کر چاک کر دیا اور اس کے پرزے اُڑا دیے۔ فرشتوں نے اپنے قدسی ہاتھوں میں لے کر ان پرزوں کو آنکھوں سے لگالیا۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ کو دربار سے نکال دیا گیا۔ وہ بارگاہ نبوی میں واپس آ گئے اور اللہ کے رسول ﷺ سے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

''غم نہ کرو کسریٰ نے تو اپنی ہی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے ہیں۔''

دس برس سے بھی کم عرصہ گزرا تھا کہ دنیا نے دیکھ لیا عظیم

سلطنتِ فارس کے پرخچے اڑ گئے۔

خسرو پرویز نے نامۂ مبارک کی توہین کی تھی۔ اسے قدرت کی طرف سے یہ سزا ملی کہ چند روز بعد اس کے بیٹے شیرویہ نے اسے تخت سے اتار کر بڑی بے رحمی سے قتل کر دیا۔

شاہان کسریٰ کے اسی سفید محل کے قیمتی فرش کو اب عبداللہ کے بھائی بند اپنی پھٹی پرانی پیوند لگی جوتیوں سے کچل رہے تھے، روندر ہے تھے۔ نہ کسریٰ کا تخت و تاج تھا اب نہ ان پر اترانے والے لوگ تھے۔ آسمان زبان حال سے کہہ رہا تھا کہ وہ لوگ کہاں گئے جو ظلم وجبر کے پیکر بنے ہوئے تھے اور بندگانِ خدا کو حقارت سے دیکھتے تھے۔؟

شہنشاہ فارس یزدجرد اور اس کے ساتھی عورتوں اور بچوں کے ساتھ مدائن سے حلوان بھاگ گئے تھے۔ مسلمانوں کے خوف سے انھیں کہیں پناہ نہیں مل پارہی تھی۔ وہ بھاگتے پھر رہے تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاس نے حکم دیا۔ ''ان کا پیچھا کیا جائے۔

سالار اعلیٰ کے حکم کی دیر تھی کہ شاہی قافلے کی تلاش شروع ہوگئی۔ یزدجرد تو بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا لیکن اس کے کچھ ساتھی پکڑ لیے گئے۔ ان کے ساتھ جو ساز وسامان اور نادر و نایاب چیزیں تھیں ان کی قیمت محل کے ساز وسامان سے بھی زیادہ تھیں ان میں موتیوں اور جواہرات سے مرصّع ایک بہت ہی قیمتی تاج بھی تھا خوبصورت ریشمی لباس تھے اور بہت سی نایاب چیزیں تھیں۔ اعلیٰ درجہ کے ہتھیار تھے۔

قعقان بن عمرو تمیمی نے ایک عجمی کا پیچھا کر کے اسے قتل کر دیا۔ اس کے پاس سے دو تھیلے برآمد ہوئے جن میں کِسریٰ، ہرقل اور خاقان ترک اور دوسرے بادشاہوں کی زرہیں اور تلواریں تھیں۔ حضرت عصمہ بن خالد ایک اور بھگوڑے سے دو پٹارے چھین لائے اور عمرو بن مقران کو پیش کیا جو مال غنیمت کے نگراں تھے۔ ان پٹاروں کو کھولا گیا۔ تو ایک میں سونے کا ایک گھوڑا تھا جس پر چاندی کی زین کسی ہوئی تھی۔ گھوڑے کا سامان چاندی کا تھا جس میں جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ سوار بھی چاندی سے بنایا گیا تھا اس کے سر پر جواہرات کا چاند تھا۔ دوسری ٹوکری میں چاندی کی اونٹنی تھی۔ اس کا پالان اور سامان سونے کا تھا۔ سونے کی مہار میں سچے موتی پروئے ہوئے تھے۔ ساربان سونے کا بنا ہوا تھا اور سر سے پاؤں تک جواہرات میں ڈوبا ہوا تھا؟

مالِ غنیمت کے ڈھیر حضرت سعد بن ابی وقاص کے سامنے لگائے جارہے تھے۔ سفید محل کی تلاشی لی جارہی تھی سپاہی دوڑ دوڑ کر سامان لا رہے تھے اور ڈھیر کر رہے تھے کہ ایک عجیب وغریب فرش پیش کیا گیا۔ جس کی شہرت دنیا بھر میں تھی۔ یہ دوسو فٹ لمبا اور ایک سو اسّی فٹ چوڑا تھا۔ اسے قالین بہار کہا جاتا تھا شاہان کِسریٰ موسم بہار میں اس پر بیٹھ کر رنگ رلیاں منایا کرتے تھے۔ اس کے چاروں طرف حاشیہ تھا اور درمیان میں صحنِ چمن کا منظر۔؟

کاریگروں نے بڑی محبت اور مہارت سے اس قالین کو تیار کیا تھا۔ اس کی زمین سونے کی اور سبزہ زمرد کا بنایا تھا۔ پکھراج کے حاشیئے، موتیوں کی نہریں، سونے چاندی کے درخت، حریر کے پتے اور جواہرات کے پھل پھول تھے بے حد قیمتی قالین تھا۔ ساری دنیا میں اس کی مثال نہ تھی۔ جب یہ قالین مدنیہ پہنچا تو لوگ اسے دیکھ کر حیران رہ گئے اور اس بات میں اختلاف پیدا ہو گیا کہ اس قالین کو کیا کیا جائے امیر المومنین حضرت عمر فارق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اصحاب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مشورہ طلب کیا کہ اس قالین کو کیا کیا جائے۔ کچھ لوگوں کی رائے تھی کہ اسے محفوظ رکھا جائے اور اہم موقعوں پر استعمال کیا جائے۔ لیکن حضرت عمر فاروق اور دوسرے اصحاب جو سادگی پسند تھے فرمایا کہ ہمیں اس کے استعمال کی حاجت نہیں۔ حضرت علی اور چند دوسرے اصحاب رسول نے مشورہ دیا کہ اس قالین کو کاٹ کر لوگوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ چنانچہ بحث مباحثے کے بعد حضرت علی کی رائے سے اتفاق کر لیا گیا اور قالین کو کاٹ کاٹ کر مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ اس قالین کی قیمت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک ٹکڑا جو حضرت علی کے حصہّ میں آیا گو بہت اچھا نہ تھا پھر بھی وہ آٹھ ہزار درہم نقرئی (چاندی کا سکہّ) میں فروخت ہوا۔

ایسی ہی قیمتی اور بہت ساری چیزیں تھیں۔ صرف خزانۂ شاہی سے تین کھرب دینار نقد ملے۔ ایک مسلمان سپاہی جواہرات کا ایک ڈبہّ لے آیا جسے دیکھ کر بے ساختہ سب کی زبان سے نکل گیا جتنا کچھ سامان اب تک جمع ہو چکا ہے۔ اس میں ایک چیز بھی ایسی عمدہ اور قیمتی نہیں ہے جسے اس ڈبہ کے مقابلہ میں رکھا جائے۔ جب مجاہد سے پوچھا گیا کہ تم چاہتے تو اسے آسانی سے اپنے پاس رکھ سکتے تھے۔ پھر تم نے اسے رکھ کیوں نہ لیا۔؟ تو اللہ کے نیک بندے نے جواب دیا۔

''وجہ بتاؤں تم لوگ میری تعریف کرو گے مگر میں اللہ کی تعریف کرتا ہوں اور اس اجر و ثواب پر مطمئن ہوں جو ایمانداری کے صلے میں مجھے اپنے رب کے پاس ملے گا۔''

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں۔ خدا کی قسم! ہمیں قادسیہ کے مجاہدین میں ایک شخص بھی ایسا نہ ملا جس نے آخرت کے ساتھ دنیا بھی طلب کی ہو۔

حضرت سعد نے مالِ غنیمت کا پانچواں حصّہ اور جو چیزیں نوادرات میں شمار ہوتی تھیں۔ مثلاً بادشاہ کے تاج، نایاب ہتھیار اور قالین۔ جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ اور بے شمار قیمتی چیزیں دربار خلافت میں روانہ کر دیں۔ مالِ غنیمت کا پانچواں حصّہ اور عجیب و غریب سامان کس قدر تھا اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ سب سامان نو سو اونٹوں پر بار کیا گیا تھا۔ ان کے علاوہ ساٹھ ہزار مجاہدین نے جو غنیمت تقسیم ہوئی وہ ایک ایک سپاہی کے حصہ میں ڈیڑھ ڈیڑھ ہزار درہم نقرئی (چاندی کے سکے) آئے۔ مدائن کی فتح کے بعد عرب کے مسلمان مالا مال ہو گئے۔

جب مدینے میں حضرت عمر فاروق کے سامنے یہ سامان چنا گیا تو لوگ حیران رہ گئے اور سب نے فوج کی ایمانداری و دیانت داری کی تعریف کی۔ یہ تھے اللہ کے وہ سرفروش جنہوں نے دنیا کو حقارت سے ٹھکرا دیا اور نیک عمل کے ذریعے اللہ کے قریب ہونے کی کوشش کی۔ یہی کردار تھا کہ وہ میدان جنگ میں ہمّت و شجاعت اور بہادری و جواں مردی کی منھ بولتی تصویر بن جاتے ہیں۔ اور دشمن بڑی سے بڑی قوت لیکر ان کے سامنے آتا تو ہار کر جاتا تھا۔

مدائن کی فتح مکمل ہو گئی تو اسلامی لشکر کے سرداروں نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو مشورہ دیا کہ اب وہ خود مدائن میں ٹھہریں اور جو علاقے فتح ہونے سے رہ گئے ہیں ان کے لیے سرداروں کو فوج دے کر مختلف علاقوں کی طرف روانہ کریں۔ چنانچہ سعد نے ہاشم بن عتبہ کو بارہ ہزار کا ایک لشکر دے کر جیلولہ کی فتح کے لیے روانہ کیا۔

قادسیہ کی فتح کی طرح جیلولہ کی فتح کا واقعہ بھی ایران میں اسلامی متوحات کا شاہکار تسلیم کیا جاتا ہے۔ کیوں کہ جیلولہ میں بارہ ہزار اسلامی فوج نے ایرانیوں کی ڈیڑھ لاکھ فوجوں کو ایسی عبرت ناک شکست دی تھی کہ دنیا آج تک حیران ہے۔

شاہِ ایران یزدجرد جب مدائن سے فرار ہو کر حلوان چلا گیا تو رستم ایران اور اس کے بھائی خرزاد نے جیلولہ کو اپنا فوجی مرکز بنالیا اور ڈیڑھ لاکھ آتش پرستوں کی فوج جمع کر کے مسلمانوں کو شکست دینے کے منصوبے بنانے لگا۔ پھر ایک دن جب ہاشم بن عتبہ کی کمان میں اچانک بارہ ہزار اسلامی لشکر جیلولہ کے سامنے نمودار ہوا تو مختصر سی اسلامی فوج کو دیکھ کر خرزاد بہت خوش ہوا۔ اس کے جاسوسوں نے اطلاع دی کہ اس بارہ ہزار اسلامی لشکر کے پیچھے کوئی امدادی لشکر موجود نہیں ہے۔

خرزاد کو یقین ہو گیا کہ عنقریب وہ اپنے ڈیڑھ لاکھ کے لشکر سے مسلمانوں کو شکست دے دے گا۔ اس نے اپنی فوج کے سرداروں کو جمع کیا اور ان کے حوصلوں کو بڑھاتے ہوئے کہا کہ اگر ہمارے دس دس سپاہیوں نے مل کر صرف ایک ایک مسلمان کو قتل کر دیا تو ایک گھنٹہ سے کم وقت میں ساری اسلامی فوج گاجر مولی کی طرح کٹ کٹا کر صاف ہو جائے گی اور ایک مسلمان سپاہی بھی میدان جنگ سے بچ کر نہیں جاسکتا۔ اور یہ کوئی ایسی بڑی بات نہیں ہے کہ دس آدمی ایک آدمی کو قتل نہ کر سکیں۔

ایک فیصلہ کن جنگ کی نیت سے ایک دن خرزاد نے اپنی تمام فوجوں کو میدان میں اتار دیا۔ گھمسان کی جنگ شروع ہوئی اور شام ہوتے ہوتے خرزاد کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں ایرانی فوجوں کے قدم اکھڑ گئے اور بارہ ہزار کے اسلامی لشکر نے ایک لاکھ ایرانیوں کو کاٹ کر رکھ دیا۔ بچی کھچی ایرانی فوج حلوان کی طرف بھاگ گئی۔

جیلولہ کے ہارے ہوئے فوجی جب حلوان میں جمع ہونا شروع ہوئے اور یزدجرد کو معلوم ہوا کہ جیلولہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا ہے اور ایک لاکھ ایرانی میدان جنگ میں قتل ہو چکے ہیں۔ تو خوف و دہشت سے وہ کانپ اٹھا۔ اس نے سمجھ لیا کہ اب جیلولہ کے بعد حلوان کی بھی خیر نہیں کیوں کہ جیلولہ سے حلوان بہت قریب ہے۔ یزدجرد فوراً حلوان چھوڑ کر دوسرے شہر کی طرف بھاگ گیا۔

جیلولہ کی فتح میں مسلمانوں کو تین کڑور کا مال غنیمت حاصل ہوا۔ جیلولہ سے فارغ ہو کر اسلامی فوج حلوان کی طرف بڑھی۔ وہاں کا حاکم خسرو شنوم تھا جو ایرانیوں کی مسلسل ناکامیوں کی وجہ سے پہلے دل برداشتہ تھا۔ اس نے بہت بے دلی سے اسلامی لشکر کا مقابلہ کیا آخر شکست کھا کر فرار ہو گیا مسلمان حلوان پر بھی قابض ہو گئے۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق کی خدمت میں جیلولہ اور حلوان کا مالِ غنیمت بھیجا گیا تو آپ مسلمانوں کی شاندار فتوحات سے بے حد خوش ہوئے۔ یہ دونوں لڑائیاں ۱۶ھ میں لڑی گئی تھیں۔

ایران کے فوجی گورنر سعد بن ابی وقاص نے مدائن کی فتح کے بعد گو مدائین کو ایران کی نئی اسلامی حکومت کا صدر مقام بنالیا تھا لیکن اس شہر کی آب و ہوا عربوں کو راس نہ آئی اور عرب نئی نئی بیماریوں میں مبتلا ہو گئے۔ ان تمام حالات سے سعد نے جب خلیفۂ اسلام کو مطلع کیا تو حضرت عمر فاروق نے ان کو ہدایت کی کہ ایران کی نئی اسلامی حکومت کے صدر مقام کے لیے کوئی ایسی جگہ تجویز کر لی جائے جہاں کی آب و ہوا عربوں کے مزاج کے مطابق ہو۔ اور وہیں تمام سرکاری دفاتر منتقل کر دیے جائیں چناں چہ سعد بن ابی وقاص نے بہت غور و فکر کے بعد دریائے فرات کے مغرب میں اس مقصد کے لیے ایک علاقہ تجویز کیا اور ۱۷ھ میں وہاں ایک نئے شہر کی تعمیر شروع کی۔

اس نئے شہر کا نام "کوفہ" رکھا گیا۔ سعد بن ابی وقاص نے کوفہ کے شاندار شہر میں شاہانِ ایران کسریٰ کی طرح ایک عالی شان محل خاص اپنے لیے تیار کرایا جس کی تعمیر میں بے اندازہ دولت خرچ ہوئی۔ اس محل کے دروازے کسرائے فارس کے محل کے دروازں کی طرح شاندار اور بلند وبالا تھے محل کے دروازہ پر مسلح پہرہ دار ہر وقت پہرہ دیتے تھے۔ جب حضرت عمر فاروق کو اس محل کی تعمیر کا علم ہوا تو آپ سخت برہم ہوئے۔ آپ نے سعد کے نام ایک خط لکھا جس میں بہت ہی سخت باتیں درج تھیں اور اپنی ناراضگی کا اظہار کیا تھا۔ اس خط کو آپ نے ایک خاص آدمی کو دیتے ہوئے فرمایا! "سعد کے پاس جاؤ اور اسے خط دیکر کہنا کہ ہماری ساری فضیلتیں اسلام کی بدولت ہیں۔ اگر اسلام کی سادگی کو چھوڑ کر غیر ملکیوں اور آتش پرستوں کی تقلید کروگے تو عنقریب تمہیں معزول کر دیا جائے گا۔" آپ نے اپنے قاصد سے فرمایا! "کوفہ جاکر سعد کے محل کو آگ لگادو اور اسے بتاؤ کہ یہ اسلام کا طریقہ نہیں ہے۔ جب تم محل میں رہوگے اور دروازوں پر دربان کو بٹھاؤگے تو اللہ کے بندے تم تک کیسے پہنچ پائیں گے اور ناانصافیوں کی فریاد کس سے کریں گے۔"؟

حضرت عمر فاروق کا قاصد جب کوفہ پہنچا اور سعد کو امیر المومنین کا خط دیا تو اسے پڑھ کر سعد کا چہرہ تاریک ہو گیا۔ امیر المومنین کا حکم تھا کہ قاصد کے کسی کام میں مداخلت نہ کی جائے چنانچہ حضرت عمر فاروق کے قاصد نے حضرت سعد سے محل کو خالی کرایا اور اس میں آگ لگادی یہ شاندار محل جل کر راکھ کا ڈھیر ہو گیا۔ محل کے جلنے کے بعد حضرت سعد نے ایک سادہ سا مکان بنوایا اور اس میں عام مسلمانوں کی طرح رہنے لگے پہرہ بھی ختم کر دیا گیا اور بظاہر سالار اعلیٰ اور فاتح ایران سعد بن ابی وقاص اور ایک عام مسلمان میں کوئی فرق و امتیاز باقی نہ رہا۔

یہ واقعہ ہمیں بتاتا ہے کہ اس وقت کے مسلمان کیسے سرفروش اور جری و بہادر تھے۔ ان کی نگاہ میں دنیا کی کوئی اہمیت نہ تھی وہ اللہ کے لیے جیتے تھے اور اللہ کے لیے مرتے تھے۔ وہ ایسے بہادر تھے کہ دنیا کے جابر لوگ ان سے خوف کھاتے تھے اور وہ دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت سے بھی نہیں ڈرتے تھے لیکن خدا سے اتنا ڈرتے تھے کہ جتنا ڈرنے کا حق ہے۔ اور حق بات پر سر جھکا دیتے تھے۔ اللہ ان سے راضی تھا اور ان کو دنیا کے خزانوں کی کنجیاں عطا کر دی گئیں تھیں۔

☆☆☆☆

(ص:۱۲ کا بقیہ).....

برزخ پہ تنوین برائے تعظیم ہے، اور آیت کا معنی ہے ہم نے ایک عظیم آڑ اور حاجز بنادیا، اور وہ اتنا عظیم حاجز ہے کہ ہزاروں سال گزر گیے لیکن آج تک نہ کبھی سمندر کا پانی دریا کے پانی پر غالب آیا نہ دریا کا پانی سمندر کے پانی پر، اور نہ آئندہ کبھی ایسا ہوگا، اور اگر اللہ دونوں پانیوں کے درمیان حاجز نہ بناتا تو سمندر کا پانی دریا کے پانی پر غالب آجاتا، اور دنیا میں پینے کے لیے میٹھا پانی میسر نہیں ہوتا، اور دنیا اس عظیم نعمت سے محروم ہوجاتی۔

واضح رہے کہ اس جہان رنگ وبو کا خالق اللہ اور صرف اللہ ہے، اس کی قدرتوں کا عالم یہ ہے کہ اس عظیم کائنات کو اور اس میں پھیلے ہوئے مناظر قدرت کو بنانے کے لیے نہ اسے کسی وزیر کی ضرورت ہے نہ مشیر کی، نہ کسی پشت پناہ کی ضرورت ہے نہ مددگار کی، نہ کسی خاکہ کی ضرورت ہے نہ تجربہ کی، نہ کسی آلہ کار کی ضرورت ہے نہ مشق وممارست کی، بلکہ اس کی شان تکوینی کا عالم یہ ہے کہ جب کسی شی کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو فرماتا ہے اے شی، تو ہوجا، تو فوراً وہ شی تیار ہوکر عالم وجود میں آجاتی ہے: سورۂ یٰسین کی اختتامی آیات میں ہے:

إِنَّمَآ أَمْرُهُۥٓ إِذَآ أَرَادَ شَيْـًٔا أَن يَقُولَ لَهُۥ كُن فَيَكُونُ ﴿٨٢﴾ فَسُبْحَٰنَ ٱلَّذِى بِيَدِهِۦ مَلَكُوتُ كُلِّ شَىْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٨٣﴾

اس کی شان یہ ہے کہ جب کسی شی کا ارادہ کرتا ہے تو فرماتا ہے کہ اے شی، تو ہوجا، تو فوراً وہ شی تیار ہوکر عالم وجود میں جاتی ہے۔ پاکی ہے اس رب کے لیے جس کے دست قدرت میں ہر شی کی بادشاہت ہے، اور بالآخر سب کو اسی کی طرف پلٹنا ہے۔

ہم نے قرآن کریم کی روشنی میں چند مظاہر قدرت پیش کیے اور ان کی اجمالی توضیح وتشریح کی کوشش کی، اگر قرآن کریم کا بغور مطالعہ کیا جائے تو سیکڑوں مقامات پر اللہ کی نشانیوں کا ذکر ملے گا، ہمیں چاہیے کہ ہم قرآن کریم کا بغور مطالعہ کریں، اور کائنات عالم میں پھیلی ہوئی نشانیوں پر تدبر کریں، تاکہ ہمارے ایمان میں مزید استحکام پیدا ہوسکے، اور ہمارے دل یاد الٰہی سے معمور ہوسکے۔

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

☆☆☆

مولانا محمد عابد چشتی*

رئیس المحققین حضرت علامہ سید سلیمان اشرف چشتی بہاری علیہ الرحمہ کا شمار اپنے عہد کے ان چنندہ علما میں ہوتا ہے جن کی گوناگوں خصوصیات، علمی رسوخ، فنی استعداد و قابلیت، اسلامیات پر حیرت انگیز گیرائی، ادبی ذوق، تنقیدی شعور، دینی حمیت و غیرت اور مسلکی تصلب نے انہیں ہمہ جہت شخصیات کی فہرست میں کھڑا کر دیا تھا، یہی وجہ ہے کہ آج ہندوستان کی علمی اور مذہبی دنیا میں انہیں مختلف حوالوں سے پہچانا جاتا ہے۔

آپ کی پیدائش ۱۸۷۸ء صوبۂ بہار میں ہوئی اور ۱۹۳۹ء میں اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔ زندگی کے تقریباً انسٹھ سالوں میں یوں تو آپ نے اسلام کی بہت سی گراں قدر خدمات انجام دیں مگر آپ کی زندگی کا یہ پہلو بہت تابناک ہے کہ آپ نے ہمیشہ اسلامیان ہند کی ہر سطح پر تعمیر و ترقی اور قوم مسلم کی مستقبل سازی کے حوالے سے امکانات کے جتنے گوشے ہوسکتے تھے ان تمام گوشوں پر توجہ دینے کی ہر ممکن کوشش کی اور اس کے لیے لائحہ عمل تیار کیا، خاص طور سے تعلیم کے سلسلہ میں مسلم نسل کے لیے آپ نے جن اصولوں کی نشاندہی کی ہے نیز دینی اور دنیوی دونوں سطح پر تعلیم میں توازن کے جو نظریات پیش کیے ہیں ان پر عمل کر کے جہاں اسلامیان ہند میں در آئے تعلیمی انحطاط پر قابو پایا جاسکتا ہے وہیں دوسری طرف ان نظریات کی روشنی میں مسلم نسل کی نہ صرف مذہبی اور دینی بلکہ معاشی اور مادی استحکام کی بھی ضمانت لی جا سکتی ہے۔ آپ کی تعلیمی منصوبہ بندی کی اسی خصوصیت کی وجہ سے اپنے وقت کے صاحب نظر ماہرین تعلیم بھی آپ کی مہارت، دقت نظر اور دور رس فکر کے معترف اور کھلے دل سے قدرداں تھے۔

ذیل کے سطور میں سید سلیمان اشرف چشتی بہاری علیہ الرحمہ کے چند تعلیمی افکار پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔

سید سلیمان اشرف بہاری علیہ الرحمہ اپنی قوم اور مذہب کے تئیں کافی ہمدرد اور مخلص واقع ہوئے تھے، آپ کے زمانہ میں مسلمانوں کے اندر علم دین اور علوم اسلامیہ سے جو بے رغبتی تھی اسے دیکھ کر آپ ہمیشہ بے چین رہا کرتے تھے۔ آپ کو اس بات کا شدت کے ساتھ احساس اور ساتھ ہی ساتھ افسوس بھی تھا کہ مسلمانوں کی نئی نسل اپنی تن آسانی کی وجہ سے بہت تیزی سے علمی پستی اور تعلیمی زبوں حالی کی طرف جاری ہے جس کی وجہ سے انہیں ہر سطح پر رسوائی کا منہ دیکھنا پڑ رہا ہے۔ اور آج اسلاف کا پیش بہا علمی سرمایہ محفوظ ہونے کے باوجود اس سے براہ راست کوئی استفادہ کرنے والا نہیں ہے۔ اپنے اسی درد کا اظہار کرتے ہوئے ایک جگہ فرماتے ہیں :

”آج جو مسلمانان عالم من حیث القوم اپنی علمی پستی محسوس کر رہے ہیں اس کا سبب خود ان کی تن آسانی اور پست ہمتی ہے، اسلاف نے ان کے لیے گراں مایہ علمی ذخیرہ چھوڑا ہے یہ اس پر اضافہ تو کیا کرتے آج اس سے بھی بے خبر ہیں کہ عہد سلف کے کیا کارنامے ہیں (۱)

علامہ صاحب کو اپنی قوم کے اس علمی قحط اور زبوں حالی کا شدت کے ساتھ احساس تھا اسی لے وہ کسی طرح اس قوم میں دوبارہ علم و فن کا شعور اور تعلیمی بیداری کی لہر دوڑانا چاہتے تھے، اس لیے کہ ان کا ماننا تھا کہ تعلیم نہ صرف ایک فرد کو مہذب اور سنجیدہ بناتی ہے بلکہ تعلیم پورے سماج کی مجموعی ترقی پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ جس سماج میں تعلیم کا گراف بڑھتا ہے وہاں معاشی، اقتصادی، تہذیبی اور دیگر تمام سمتوں میں بہتر نتائج بر آمد ہونے لگتے ہیں، مگر اسی کے ساتھ ساتھ علامہ صاحب اس بات پر بھی پختہ یقین رکھتے تھے کہ ایک مسلمان ہونے کے ناطے قوم مسلم کا معاملہ اپنے اندر کچھ انفرادیت رکھتا ہے، اس لیے کہ ایک مسلمان کو جہاں اپنی دنیوی حاجات کا انتظام کرنا ہوتا وہیں اس سے زیادہ اسے اپنے دین اور اپنے مذہب کا بھی خیال رکھنا ہوتا ہے۔ اسی لیے ایک مسلمان کی کامل ترقی اسی وقت ہو سکتی ہے جب کہ وہ دینی اور دنیوی دونوں سطح پر ایک متوازن سمت میں چلے۔ دنیوی تعلیم کے حصول میں اس قدر مستغرق ہوجانا کہ

* استاذ دارالعلوم صمدیہ، پھپھوند شریف (اوریا)

دینی علوم سے نابلد ہو جائے اور اس کے نتیجے میں اس کی زندگی بھی غیر اسلامی ہو جائے یا پھر صرف اسلامی علوم کے حصول میں منہمک ہو جانا او عصری علوم سے بالکل کنارہ کشی اختیار کر لینا یہ دونوں چیزیں غیر مفید ہیں ،جس میں افراط و تفریط ہے ،اس لیے علامہ سید سلیمان اشرف چشتی بہاری علیہ الرحمہ کا قوم مسلم کے حوالے سے سب سے پہلا تعلیمی نقطۂ نظر یہ تھا کہ مسلمانوں میں دینی اور دنیوی دونوں تعلیم کے درمیان اعتدال پیدا کیا جائے اور ایسے جامع افراد تیار کیے جائیں جو دونوں سطح پر بہتر نمائندگی کر سکیں، آپ فرماتے ہیں :

" دوسری یہ بات معلوم ہوئی کہ اب نہ صرف علوم اسلامیہ کی تعلیم انصرام حاجات اور ضروریات کے لیے کافی ہے نہ بعض انگریزی کی سند یابی قومی درد کی دوا بن سکتی ہے اسی لیے ضرورت اس کی ہے کہ جامع افراد کچھ تیار کیے جائیں "[۲]

علامہ صاحب کا رجحان اس طرف تھا کہ ایک مسلمان کے لیے دینی تعلیم سے دور ہونا کسی طرح مناسب نہیں ہے اور اس پس منظر میں ان کے تعلیمی نظریات کا تجزیہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ دینی تعلیمی کے نظام کو داخلی اور خارجی دونوں سطح پر مضبوط اور قوم و ملت کے لیے کارآمد بنانے کے حق میں تھے ۔ خارجی سطح پر تو وہ اسلامی تعلیم کے اندر وہ تمام خوبیاں پیدا کرنا چاہتے تھے جو عوامی توجہ اور میلان قلب کا باعث بنیں ، اور یہ اسی وقت ہو سکتا تھا جب کہ علوم اسلامیہ کے حامل علما کے لیے ترقی کے سارے متبادل کھلے ہوں ۔ اور جب یہ مرحلہ طے ہو جائے تو پھر وہ اس بات پر زور دیتے تھے کہ تعلیمی میدان میں رسم کی ادائگی کی بجائے علوم اسلامیہ کی طرف رغبت رکھنے والے طلبہ کی داخلی تعلیمی پوزیشن کو بہتر سے بہتر بنانے کے لیے ہر ممکن کوشش کی جائے ۔ تفصیل درج ذیل ہے :

آج کے گرد و پیش کا جائزہ لیا جائے تو بلا مشروط ہمیں اس بات اعتراف کرنا پڑے گا کہ مذہبی تعلیم سے لوگوں کی بے رغبتی، تنفر اور حد درجہ بے اعتنائی کی واحد وجہ یہی ہے کہ مذہبی اور اسلامی تعلیم سے دینی ضروریات کا انتظام تو ہو جاتا مگر جب علوم اسلامیہ کے یہ طلبہ اپنی اپنی دانش گاہوں اور مدارس سے نکل کر میدان عمل میں آتے ہیں تو پھر انہیں اپنے مستقبل کی دنیا تاریک سی نظر آنے لگتی ہے، اس لیے کی دنیوی تعلیم نہ ہونے اور اس کے حصول کے راستے بند ہو جانے کی وجہ سے ان کی ترقی کا دائرہ چند مخصوص میدانوں تک محدود ہو جاتا ہے ۔علامہ سید سلیمان اشرف چشتی بہاری علیہ الرحمہ کا ماننا تھا کہ جب تک ہندوستان میں مسلم حکومت اور سلطنت رہی اس وقت تک علوم اسلامیہ کا حصول دینی اور دنیوی دونوں سطح کے مطالبات کے لیے کافی، تھا مگر اسلامی حکومت کے زوال کے بعد اب حالات دیگر ہو چکے ہیں۔ اب دینی تشخص اور مذہبی شناخت کے بقا کے لیے جہاں اسلامی علوم کی تحصیل ضروری ہے ،وہیں زندگی کے مادی مطالبات کو پورا کرنے کے لیے عصری علوم کا حصول بھی ضروری ہے اور اگر دینی تعلیم کے نظام کو مادی مطالبات سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش نہ کی گئی تو آگے چل کر یہی چیز علوم اسلامیہ اور اسلامی تعلیم کے انحطاط کا پیش خیمہ ثابت ہوگی۔ ایک جگہ فرماتے ہیں :

" دوسرے یہ کہ (دینی تعلیم سے) مطالبات جسمانی کا انجام جب کہ پورا نہ ہو سکے گا تو لا محالہ شکستہ حالی پیدا ہو کر اسے نمونۂ عبرت بنادے گی اور یہ دونوں اسباب مل کر اس نوعیت تعلیم کو آخر کار فنا کر دیں گے "[۳]

اور ایسا ہوتا بھی ہے کہ مدارس و مکاتب میں اسلامی علوم پڑھنے والے طلبہ جب تعلیم مکمل کرنے کے بعد علوم اسلامیہ کی سند لے کر باہر آتے ہیں تو انہیں اس بات کا احساس بڑی شدت کے ساتھ ہو چلتا ہے کہ ان کے ہاتھ میں تھمائی جانے والی سند خود ان کی اپنی تسلی کے لیے تو کافی ہے مگر اس سند کے ذریعہ اگر وہ عصری دانش گاہوں میں قسمت آزمانا چاہیں تو پھر ان کے لیے دروازے بند ہیں ، ایسی صورت میں نہ صرف اس سند بلکہ علوم اسلامیہ کی اہمیت بھی ان کی نگاہ میں مشکوک ہو جاتی ہے ،اس ماحول کو ختم کرنے کے لیے سید سلیمان اشرف بہاری علیہ الرحمہ اس بات پر زور دیتے تھے کہ علوم دینیہ کے طلبہ کے لیے جو اسناد فراہم کی جائیں ہماری کوشش یہ ہونا چاہیے کہ ان اسناد کو حکومتی سطح پر تسلیم کروائیں اس لیے کہ جب تک اسلامی تعلیم کا خارجی سطح پر یہ انتظام نہیں کیا جائے گا اس وقت تک نہ ہم امت کے باشعور افراد کو دینی تعلیم کی طرف متوجہ کر سکتے ہیں اور نہ ہی دینی تعلیم کا فروغ ہو سکتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں :

" اس میں کوئی شک نہیں کہ اس دور ایام میں جب تک کے ہاتھ میں ایسی سند نہیں جو مصدقہ ء گورنمنٹ ہو تو خواہ وہ سند کیسی ہی فضیلت سے مشعر کیوں نہ حکومت اور علم برداران حکومت کی نگاہوں میں وقیع نہیں ہو سکتی، اور اس بے وقعتی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خود سند یافتہ اپنے نفس میں کیفیت اعتماد نہ پائے گا جس کا اثر اس کے قوائے دماغیہ

کی علمی بالیدگی کو پژمردہ کر دے گا اور تعلیم یافتہ دماغ کے لیے یہ ایک ایسا حادثہ ہوگا جس پر مجلس علمی سوگوار ہوگی (۴)

اسلامی مدارس میں رائج تعلیمی نصاب اپنے اجزائے ترکیبی کے اعتبار سے کتنا ہی مفید کیوں نہ ہو مگر یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ مدارس سے فارغ ہونے والے علما اور فضلا کی علمی اسناد حکومتی سطح پر کوئی وجود نہیں رکھتی ہیں، جس کی وجہ سے لامحالہ علوم اسلامیہ کے طالب علم میں بے اعتمادی کی ایک کیفیت پیدا ہونے لگتی ہے جو آگے چل کر اسلامی علوم سے بے رغبتی اور اس سے فرار کی صورت اختیار کر لیتی ہے، انہیں امور کے پیش نظر سید سلیمان اشرف بہاری علیہ الرحمہ کا نظریہ یہ تھا کہ جب تک علوم اسلامیہ سے فارغ ہونے والے طلبہ کی اسنادی حیثیت پر غور وفکر اور اور اس کو اعتبار فراہم کرنے کی کوشش نہیں کی جائے گی اس وقت تک لوگوں کو خاص طور سے خوش حال طبقہ کا اسلامی تعلیم کی طرف مائل کرنا بہت دشوار ہے فرماتے ہیں :

ہمیں اپنی تعلیم گاہ میں اس کا ضرور لحاظ رکھنا چاہیے کہ بعد فراغ سند یافتہ طلبہ کے لیے وہ تمام دروازے کشادہ رہیں جو عموماً ایک گریجویٹ کے لیے کشادہ سمجھے گئے ہیں تاکہ قلوب عوام اس کی جانب مائل ہوں (۵)

ضمناً ایک بات اور ہم عرض کر دیں کہ مذکورہ گفتگو کی روشنی میں ایک سوال غیر ارادی طور پر ذہن کے گوشے میں ابھرتا ہے کہ آخر سید سلیمان اشرف بہاری علیہ الرحمہ علوم اسلامیہ کی اسناد کو معتبر بنانے اور علما کے لیے عصری دانش گاہوں کے راستے ہموار کرنے پر اتنا زور کیوں دیتے تھے ؟اس کا جواب بڑے واضح انداز میں خود آپ ہی کی تحریروں میں مل جاتا ہے جسے پڑھ کر علامہ صاحب کی علمی بصیرت اور تدریسی مہارت پر غیر مشروط ایمان لائے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔ در اصل ہم اپنے مشاہداتی تجربوں کی روشنی میں بہت اچھی طرح اس بات کا احساس کرتے ہیں کہ علوم اسلامیہ کے حامل علما اور مغربی علوم یافتہ افراد کے درمیان ایک نامعلوم سی دوری ہوتی ہے، دونوں فریق ایک دوسرے سے وحشت محسوس کرتے ہیں اور اسی وحشت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دونوں فریق جلدی ایک دوسرے کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے ہیں، سید سلیمان اشرف بہاری علیہ الرحمہ نے دینی اور دنیوی تعلیم کے مناسب امتزاج اور علوم اسلامیہ کی اسناد کو اعتبار فراہم کرنے اور اس کے ذریعہ ملت میں جامع افراد تیار کرنے کی جو بات کہی تھی وہ در اصل دونوں فریق کے درمیان پائی جانے والی اسی دوری کو ختم کرنے اور خاص طور سے علوم اسلامیہ کے حامل علما کو وقت کی چاپ سے چاپ ملا کر چلانے کے لیے تھا تاکہ ایسے جامع افراد دونوں سطح پر اسلامی افکار و نظریات کی بہتر نمائندگی کر سکیں۔اسی پس منظر میں آپ فرماتے ہیں :

” جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ طالب علم جہاں بی اے کی سند رکھ کر علمائے علوم مغربی کے ہمراہ ہوگا تو اسلامک اسٹڈیز (علوم اسلامیہ) کی سند سے اسے علمائے مشرق کے پہلو بہ پہلو جگہ عطا کی جائے گی (۶)

اور پھر یہ جامع افراد عصری رجحانات و مطالبات سے بھی خوب اچھی طرح واقف ہوں گے اور قوم مسلم کے من حیث القوم مسائل و قضایا اور اس کے درد سے بھی آشنا ہوں گے ایسی صورت میں وہ خود اپنے اور اپنی قوم کے لیے ان لوگوں سے بہتر اقدام کر سکتے ہیں جو یا تو خالص علوم اسلامیہ حاصل کیے ہوئے ہیں اور عصری علوم سے ناواقف ہیں یا جو لوگ مغربی علوم وفنون میں تو مہارت رکھتے ہیں مگر اسلام اور اسلامی علوم سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔

گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ سید سلیمان اشرف بہاری علیہ الرحمۃ اسلامی تعلیم کو خارجی سطح پر مضبوط اور لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کرنے کے لیے علوم اسلامیہ کے حامل علما کے لیے عصری دانشگاہوں کے سارے دروازے کھولنا چاہتے تھے تاکہ مدارس، مکاتب اور اسلامی درس گاہوں سے فارغ ہونے کے بعد انہیں ترقی کے وہ سارے مواقع میسر ہوں جو دنیوی علوم حاصل کرنے والوں کے لیے فراہم ہیں۔

اس مرحلہ کے بعد سید سلیمان اشرف بہاری علیہ الرحمہ داخلی سطح پر تعلیم کو بہتر سے بہتر اور قوم وملت کے لیے زیادہ مفید بنانے کے لیے اپنے طویل تجربات کی روشنی میں نہایت کارآمد نظریات اور منصوبے رکھتے تھے جنہیں بروئے کار لا کر نہ صرف تعلیم کی شرح کو بڑھایا جا سکتا بلکہ اسلامی تعلیم کے معیار کو بھی بہت اونچائی تک لے جایا جا سکتا ہے۔ان نظریات میں سے چند نذر قارئین ہیں۔

اسلامی تعلیم کے حوالے سے اکثر یہ خبریں گردش کرنے لگیں ہیں کہ اسلامی دانش گاہوں میں علوم اسلامیہ کا جو نصاب رائج ہے دور حاضر کے بدلتے منظرنامے کے لحاظ سے اس میں قدرے اصلاح اور ترمیم کی ضرورت ہے، اور اب تو ایک مرتبہ آواز اٹھنے کے بعد وقتاً فوقتاً اسلامی نصاب میں اصلاح و ترمیم کی صدائے بازگشت سنائی دیتی رہتی ہے۔زمانہ اور حالات نیز طلبہ کے ذہنی اور فکری انحطاط کے پیش نظر یہ ایک اچھی پیش رفت ہے جس کی حوصلہ افزائی ہونی چاہیے۔مگر دوسری طرف ہم یہ

بھی دیکھتے ہیں کہ مدارس اسلامیہ کے ارباب حل وعقد نے نصاب تعلیم سے آگے بڑھ کر کبھی بھی طریقۂ تعلیم کے متعلق کچھ سوچنے اور اس میں کچھ نیا کرنے کی زحمت نہیں اٹھائی ہے۔ عصری درسگاہوں میں طلبہ کی تفہیم کے لیے "بلیک بورڈ" لائے گئے، اور پھر یہی سادہ سے لکڑی کے بورڈ اب "الکٹرانک بورڈ" میں تبدیل ہوگئے، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اچھی تعلیم کے لیے اچھے طریقوں پر بھی غور کرنا ضروری ہے مگر ہمارے مدارس اور مکاتب میں تعلیم دینے کا جو طریقہ کم از کم نو سو سال پہلے رائج تھا وہ آج بھی پوری عزت کے ساتھ موجود ہے، جس کے منفی اور غیر صالح اثرات اسلامی طلبہ کی استعداد فہم اور صلاحیت پر پڑ رہے ہیں، مگر ارباب مدارس اسے خود طلبہ کی کاہلی، سستی، بے رغبتی اور عدم دلچسپی پر محمول کر کے اسلامی تعلیم کی بے ضابطگی کی ساری ٹھیکری طلبہ کے سر پھوڑ دیتے ہیں ۔سید سلیمان اشرف چشتی بہاری علیہ الرحمہ اس چیز کے زبردست مخالف تھے وہ تعلیم کو موثر اور مفید بنانے کے لیے نصاب تعلیم میں تغیر و تبدل، حذف واضافہ اور ترمیم و تنسیخ سے زیادہ طریقۂ تعلیم کی اصلاح پر زور دیتے تھے، ان کا ماننا تھا کہ نصاب چاہے کتنا ہی بہتر ہو اگر افہام و تفہیم کے طریقے درست نہیں ہیں تو وہ نصاب بے سود ہے، اس لیے اگر تعلیم کو بہتر بنانا ہے تو طریقۂ تعلیم پر توجہ دینی ہوگی۔ چنانچہ فرماتے ہیں :

" صحت تعلیم کے لیے تہذیب و ترتیب نصاب کی چنداں حاجت نہیں جس قدر کہ طریقۂ تعلیم کی اصلاح کی حاجت ہے " (۷)

ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلے ہزاروں اسلامی مدارس اور تعلیم گاہوں کا جائزہ لیا جائے تو ان مدارس یا مکاتب کی تعداد بہت کم نکلے گی جو صحیح معنوں میں اسلامی تعلیم کا ایک مستحکم نظام پوری توجہ کے ساتھ چلا رہے ہیں، اور انتظامیہ کی ساری توجہ تعلیم و تربیت کو ٹھوس بنیادوں پر قائم کرنے کی طرف ہو۔ بلکہ آج حال یہ ہے کہ نہ طلبہ سے خاطر خواہ محنت لی جاتی ہے اور نہ ہی اساتذہ پر بہتر تعلیم کا دباؤ بنایا جاتا ہے، اور مزاج یہ بنا لیا جاتا ہے کہ " جیسا چل رہا ہے چلنے دیا جائے " یہی وجہ ہے کہ اسلامی دانش گاہیں طلبہ کی عددی حیثیت کے اعتبار سے تو کافی بہتر ہیں مگر ان طلبہ میں " جوہر قابل " بن کر کتنے فارغ ہوتے ہیں ؟اس کا تناسب افسوس ناک اور قابل غور ہے، ہر سال دستار بندی کے موقع پر طلبہ کے سروں پر زرق برق دستاریں تو باندھ دی جاتی ہیں مگر ان کی استعداد کا کیا حال ہے اس کا کوئی نہ پوچھنے والا ہے اور نہ ہی فکر کرنے والا۔ علامہ سید سلیمان اشرف چشتی بہاری علیہ الرحمہ قوم اور قوم کے ٹھیکیداروں کے اس رویہ سے سخت نالاں تھے، انہیں افسوس تھا اس بات کا کہ ایک طرف تو اسلامی اور مشرقی علوم انحطاط پزیر ہیں اور دوسری طرف اس کی تلافی کے لیے ٹھوس اقدامات کرنے کے بجایے صرف نام و نمود اور بے نتیجہ نمائش پر توجہ زیادہ دی جا رہی ہے جبکہ ضرورت دور رس اور پختہ منصوبوں کی ہے۔ فرماتے ہیں :

" ملک و قوم کے سامنے جو کچھ پیش کیا جائے پرمغز ہو، ٹھوس ہو، آئندہ نسلوں کے لیے قابل تقلید ہو، ملمع سازی سے بہت نقصان مشرقی علوم اور قوم مسلم کو پہنچ چکا۔ اب اس کی تلافی ہونی چاہیے نہ کہ اس کا اعادہ و تکرار۔ (۸)

علامہ صاحب طلبہ کی تعداد سے زیادہ تعلیم کی پختگی پر زور دیتے تھے، یعنی چاہے طلبہ کی عددی حیثیت کم ہو مگر ان پر پوری محنت کی جائے اور خود ان طلبہ سے بھی محنت لی جائے، تاکہ تعلیم کے ایسے نتائج نکلیں جو قوم مسلم کے حق میں ہوں۔ فرماتے ہیں :

اسلامک اسٹڈیز (علوم اسلامیہ) کی تعلیم گہری، استوار اور مستحکم بنیاد پر قائم کرنا چاہیے، معلم سے پڑھانے میں اور متعلم سے پڑھنے میں کامل اور صحیح محنت لی جائے اگرچہ اس صورت میں طلبہ کی تعداد زیادہ نہ ہوگی لیکن " یکے مرد جنگی بہ از صد ہزار " (۹)

طالب علم صحیح معنوں میں وہی ہے جس کے اندر علمی تڑپ اور متجسس ذہنیت اور تحقیقی مزاج ہو، اس لیے علامہ سید سلیمان اشرف بہاری علیہ الرحمہ کا مطمح نظر یہ تھا کہ طلبہ کے اندر تحقیق و تدقیق اور علم کی امنگ اور اس سے لگاؤ پیدا کیا جائے اور اس کے لیے جو وسائل یا طریقے ہو سکتے ہوں ان سب کو بروئے کار لایا جائے۔ ایسے ہی ایک طریقے کی طرف نشاندہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

" مفید عام اور اہم مضامین پر محققانہ بحث لکھ کر چھوٹی چھوٹی کتابوں کی شکل میں طبع کرا کر اہل ملک کے سامنے پیش کیا جائے، ان امور کے اجرا سے طلبہ میں تحقیقات کا ذوق، علم کی امنگ، تصنیف کا طریقہ اور تفحص و تجسس کا ملکہ پیدا ہوگا (۱۰)

حاصل کلام: حضرت علامہ سید سلیمان اشرف چشتی بہاری علیہ الرحمہ نے اپنے تعلیمی نظریات کے ذریعہ قوم مسلم کی نئی نسل کو آگے بڑھنے کے بہتر راستے دکھائے ہیں، اور تعلیم کو داخلی اور خارجی سطح پر کامیاب اور کارآمد بنانے کے لیے اچھی سوچ فراہم کی ہے،

(باقی ص:۵۵ پر)

آئینۂ حیات

حضرت خواجہ ابوالحسن سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حالات و مناقب

سید شاہ غلام علی قادری موسوی

تعارف: حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اہلِ کمال میں پہلے فرد ہیں جنھوں نے بغداد میں حقائق و توحید کی بنیاد ڈالی۔حضرت سری سقطی حضرت معروف کرخی سے بیعت اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ماموں تھے، اس کے علاوہ حبیب راعی سے بھی شرفِ نیاز حاصل رہا۔

حالات: ابتدائی دور میں حضرت سری سقطی ایک دوکان میں سکونت پذیر رہے اور اسی میں ایک پردہ ڈال کر ایک ہزار نوافل روزانہ پڑھا کرتے تھے۔ اسی دوران ایک شخص کوہِ لگام سے حاضر ہوا اور پردہ اٹھا کر سلام کیا، سلام کے بعد عرض کیا کہ کوہِ لگام کے فلاں بزرگ نے حضرت سری سقطی کو سلام کہا ہے۔حضرت سری سقطی نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ مخلوق سے منقطع ہو کر عبادت کرنا نامردوں کا کام ہے اور زندہ وہ ہیں جو مخلوق سے وابستہ رہ کر یادِ الٰہی کرتے ہیں۔

حضرت سری سقطی تجارت میں دس دینار صرف نفع لیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے ساٹھ دینار کے بادام خریدے، لیکن اس کے بعد قیمتیں بڑھ گئیں اور دلال نے نوے دینار لگا دیے۔ لیکن حضرت سری سقطی نے فرمایا کہ میں اپنے عہد کے خلاف فروخت نہیں کر سکتا۔ ابتدا میں حضرت سری سقطی سقط فروشی کرتے تھے اور سقط فروشی اسے کہتے ہیں جو گرے پڑے پھل فروخت کرتا ہے۔ اسی دوران بغداد کے بازار میں آگ لگی، لیکن حضرت سری سقطی کی دوکان محفوظ رہی اور آپ نے بطور شکرانہ دوکان کا تمام مال صدقہ کر دیا۔

ایک مرتبہ لوگوں نے سوال کیا، آپ کو یہ مراتب کیسے حاصل ہوئے؟ فرمایا کہ ایک مرتبہ حبیب راعی میری دوکان پر تشریف لائے اور ایک یتیم بچہ بھی ان کے ہمراہ تھا۔ انھوں نے کہا کہ اس بچے کو کپڑے دلوادو اور جب میں نے تعمیل کر دی تو آپ نے دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تمھیں وہ مراتب عطا کرے کہ تم دنیا کو اپنا غنیم تصور کرنے لگو، چناں چہ اس دن خدا نے مجھے عظیم مراتب سے نوازا۔

نفس کشی: حضرت سری سقطی فرمایا کرتے تھے کہ چالیس سال سے میری نفس کو شہد کی خواہش ہے لیکن آج تک میں نے اس کی خواہش پوری نہیں کی، پھر فرمایا کہ میں ہر یوم آئینہ دیکھتا ہوں کہ شاید معصیت کی وجہ سے میرا چہرا سیاہ نہ ہو گیا ہو۔ آپ نے فرمایا کہ کاش پورے عالم کے آلام مجھے مل جاتے تاکہ تمام لوگوں کو غموں سے رہائی حاصل ہو جاتی۔ فرمایا کہ جب کسی مسلمان کے سامنے داڑھی میں خلال کرتا ہوں تو یہ ڈر تا ہوں کہ کہیں منافقین میں میرا شمار نہ ہو جائے۔

ظاہر پرستی: حضرت سری سقطی بہت منہ بنا کر سلام کا جواب دیا کرتے تھے اور جب وجہ پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا کہ حدیث شریف میں ہے کہ جو کسی کو سلام کرتا ہے اس پر خدا کی طرف سے سو رحمتیں نازل ہوتی ہیں، جن میں نوے رحمتیں اس کو ملتی ہیں جو پہلے سلام کرتا اور خندہ پیشانی سے پیش آتا ہے، لہٰذا میں منہ بنا کر اس لیے جواب دیتا ہوں کہ مجھ سے زائد رحمتیں سلام کرنے والے کو حاصل ہو جائیں۔

حضرت سری سقطی نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے خواب میں پوچھا کہ جب آپ علیہ السلام خدا سے محبت کرتے تھے تو حضرت یوسف علیہ السلام سے محبت کیوں تھی؟ اسی وقت ندائے غیبی آئی کہ اے سری! پاسِ ادب ملحوظ رہے، پھر جب آپ کو خواب میں حسنِ یوسف سے دوچار کیا گیا تو چیخ مار کر تیرہ یوم غشی کی حالت میں پڑے رہے اور ہوش میں آنے کے بعد یہ ندا آئی کہ جو ہمارے محبوبوں سے گستاخی کرتا ہے اس کا یہی انجام ہوتا ہے۔

کسی خدا رسیدہ سے حضرت سری سقطی نے نام پوچھا تو فرمایا کہ ''ھو'' پھر سوال کیا کہ کھاتے پیتے کیا ہیں؟ انھوں نے پھر جواب میں ''ھو'' کہا۔ غرض کہ جب ہر سوال کے جواب میں وہ یہی کہتے رہے تو آپ نے پوچھا کہ ''ھو'' سے مراد کیا اللہ ہے؟ یہ سنتے ہی وہ بزرگ چیخ

مار کر دنیا سے رخصت ہو گئے۔

حضرت جنید بغدادی سے روایت ہے کہ جب حضرت سری سقطی نے مجھ سے محبت کا مفہوم دریافت کیا تو میں نے کہا: بعض حضرات موافقت کو اور بعض ارشادات کو محبت سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت سری سقطی نے اپنے ہاتھ کی کھال کو کھینچ کر اوپر اٹھانا چاہا تو جگہ چمٹی رہی۔ حضرت سری سقطی نے فرمایا کہ اگر میں دعویٰ کروں کہ صرف محبت ہی کی وجہ سے میری کھال خشک ہوئی تو میں اپنے دعویٰ میں حق بجانب ہوں گا اور یہ فرماتے ہی بے ہوش ہو گئے۔ لیکن حضرت سری سقطی کا روے مبارک مہر درخشاں کی طرح دمک رہا تھا۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ محبت بندے کو ایسا کر دیتی ہے کہ شمشیر و سناں کی اذیت بھی محسوس نہیں ہوتی اور اس سے پہلے میں بھی محبت کے حق سے ناآشنا تھا، لیکن خدا نے جب آگاہ فرمادیا تو مجھے محبت کا صحیح مفہوم معلوم ہوا۔

جب حضرت سری سقطی کو یہ علم ہو جاتا کہ لوگ میرے پاس حصولِ علم کے لیے آرہے ہیں تو حضرت سری سقطی یہ دعا کرتے کہ وہ تعلیم عطا کر دے جس میں میری احتیاج ہی باقی نہ رہے اور مجھے یہ لوگ تیری عبادت سے غافل نہ کر سکیں۔ ایک شخص مکمل تیس سال سے عبادت و مجاہدات میں سرگرمِ عمل تھا اور لوگوں نے جب اس سے پوچھا کہ تمھیں یہ درجہ کیسے ملا؟ تو جواب دیا کہ میں نے ایک روز حضرت سری سقطی کے دروازے پر جب انھیں آواز دی تو پوچھا کہ کون ہے تو میں نے عرض کیا کہ آپ کا ایک شناسا۔ یہ سن کر آپ نے یہ دعا دی کہ اے اللہ! اس کو ایسا بنا دے تیرے سوا کسی سے شناسائی نہ رہے۔ چناں چہ اسی دن سے مجھے مراتب حاصل ہونے شروع ہو گئے اور آج اس درجہ تک پہنچ گیا۔

ایک دفعہ دورانِ وعظ مصاحب کا نائب احمد بن یزید بڑے تزک و احتشام کے ساتھ مجلسِ وعظ میں آپہنچا اور اس وقت حضرت سری سقطی کے وعظ کا یہ موضوع تھا کہ مخلوق بھی انسان سے کمزور نہیں لیکن اس کے باوجود بھی انسان بڑے بڑے گناہ کا ارتکاب کرتا رہتا ہے۔ اس تقریر کا احمد بن یزید پر ایسا اثر ہوا کہ گھر پہنچ کر بلا کھائے پیے پوری رات عبادت میں مشغول رہا اور صبح کو مضطربانہ طور پر فقیرانہ لباس میں آپ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ کے بیان سے کل جو میرے اوپر تاثر قائم ہوا ہے، بیان سے باہر ہے اور دنیا سے نجات حاصل کر کے گوشہ نشینی کا رجحان پیدا ہو گیا ہے، لہٰذا آپ راہِ طریقت کی تعلیم سے آراستہ فرما دیں۔ آپ نے فرمایا کہ عام تعلیم تو یہ ہے کہ پنج گانہ نماز ادا کرتے ہوئے احکامِ شرعیہ کی پابندی کرو اور سلوک کی خاص تعلیم یہ ہے کہ دنیا کو خیر باد کہہ کر اس طرح مصروفِ عبادت ہو جاؤ کہ خدا کے سوا کسی سے کچھ طلب نہ کرو اور اگر کوئی شے دینا بھی چاہے جب بھی مت لو، یہ سن کر احمد بن یزید نامعلوم سمت کی طرف روانہ ہو گئے اور کچھ عرصہ کے بعد ان کی والدہ روتی پیٹتی آپ کے پاس پہنچیں اور عرض کیا کہ میرا تو ایک ہی بچہ تھا اور وہ بھی حضرت سری سقطی کی صحبت میں دیوانہ ہو کر جانے کہاں چلا گیا۔ آپ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ جب وہ آجائے گا تو تمھیں مطلع کر دوں گا۔

ایک روز احمد بن یزید نحیف و نزار حالت میں حضرت سری سقطی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت سری سقطی نے خوابِ غفلت سے بیدار کر کے جو کرم مجھ پر فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ حضرت سری سقطی کو اس کی جزائے خیر دے۔ دریں اثنا احمد بن یزید کی والدہ اور بیوی بچے بھی آگئے اور ان کی زبوں حالی دیکھ کر لپٹ کر رونے لگے اور ان کے ساتھ اہلِ مجلس پر بھی گریہ طاری ہو گیا۔ پھر والدہ اور بیوی نے گھر چلنے کے لیے اصرار کیا تو انکار کر دیا، جس پر بیوی نے کہا کہ اپنے بچے کو بھی ہمراہ رکھو۔۔ چناں چہ حضرت سری سقطی نے اس کا لباس اتار کر کمبل اڑھایا اور ہاتھ میں زنبیل (کاسہ، تھیلی) دے کر ساتھ چلنے لگے تو ماں سے بچے کا یہ حال دیکھا نہیں گیا اور اس کو ساتھ نہیں جانے دیا۔ پھر برسوں کے بعد کسی نے حضرت سری سقطی سے آکر عرض کیا کہ مجھ کو احمد بن یزید نے یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ میری موت قریب ہے، اگر آپ قدم رنجہ فرمائیں تو بہتر ہوگا اور جب حضرت سری سقطی وہاں پہنچے تو دیکھا کہ قبرستان میں مٹی کے ڈھیر پر پڑے آہستہ آہستہ یہ کہہ رہے ہیں: لمثل ھذا فلیعمل العاملون۔ چناں چہ جس وقت ان کا سر آپ کی آغوش میں رکھا تو انھوں نے آنکھ کھول کر کہا کہ حضرت سری سقطی بالکل خاتمہ کے وقت پہنچے ہیں، یہ کہہ کر حضرت سری سقطی کی آغوش میں ہی دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اور جب حضرت سری سقطی ان کی تجہیز و تکفین کے سامان کی خاطر شہر کی جانب روانہ ہوئے تو راستہ میں ایک جمِ غفیر ملا اور لوگوں نے کہا کہ ہم نے ندائے آسمانی سنی ہے کہ جو ہمارے مخصوص ولی کی نمازِ جنازہ ادا کرنا چاہے وہ شہر کے قبرستان میں پہنچ جائے، چناں چہ ہم سب وہیں جا رہے ہیں۔

ارشادات: حضرت سری سقطی فرمایا کرتے تھے کہ عبادت تو عہدِ شباب ہی میں کرنی چاہیے۔ پھر فرمایا کہ مالدار ہمسایہ، بازاری قاری اور امیر علما سے دور ہی رہنا چاہیے۔ پھر فرمایا کہ سلامتیِ دین اور سکونِ

جسم وجان صرف گوشہ نشینی ہی میں ہے۔ فرمایا کہ پانچ چیزیں چھوڑ کر تمام عالم بے سود ہے۔ اول: کھانا لیکن بقاے زندگی کی حد تک۔ دوم پانی صرف رفع تشنگی کے لیے، سوم: لباس صرف ستر پوشی کی حد تک۔ چہارم: مکان صرف سکونت کے لیے۔ پنجم: علم، عمل کی حد تک۔ فرمایا کہ خواہشات کی حد تک گناہ قابل معافی ہے، لیکن کبر و نخوت کی بنیاد پر گناہ ناقابل معافی ہے، کیوں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی لغزش خواہش کی بنیاد پر تھی اور ابلیس کی خواہش کبر و نخوت کی وجہ سے تھی۔ فرمایا کہ جو خود اپنے نفس کو آراستہ نہ کر سکے وہ دوسرے کے نفس کو کیسے سنوار سکتا ہے؟ فرمایا کہ ایسے افراد بہت قلیل ہیں جن کے قول و فعل میں تضاد نہ ہو اور جو قدر نعمت نہیں کرتا نعمت اس سے کوسوں دور بھاگتی ہے۔

حضرت سری سقطی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو خدا کا اطاعت گزار ہوتا ہے پورا عالم اس کے زیر نگیں رہتا ہے۔ فرمایا کہ زبان و رخ سے قلبی کیفیات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، لیکن قلب کی بھی قسمیں ہیں، اول: جو کوہ گراں کی طرح اپنی جگہ اٹل رہے، دوم: وہ قلب جو مستحکم درخت کی طرح ہو، باد تند کا جھونکا کبھی اس کو ہلا بھی دیتا ہو۔ سوم: وہ قلب جو پرندوں کی مانند ہوں، اس میں پرواز کر سکیں۔ فرمایا کہ انس و حیا قلب کے دروازے پر پہنچتے ہیں لیکن اگر قلب میں زہد و ورع کا وجود ہوتا ہے تو مقیم ہو جاتے ہیں ورنہ وہیں سے لوٹ جاتے ہیں۔ فرمایا کہ جس قلب میں کوئی شے مقیم ہوتی ہے، وہاں یہ پانچ چیزیں داخل نہیں ہوتیں۔ خوف، رجا، حیا، انس، محبت اور ہر مقرب بارگاہ کو اس کے قرب کے مطابق ہی فہم عطا کیا جاتا ہے۔ فرمایا کہ رموز قرآنی کی تفہیم کے لیے غور و فکر کرنے والا ہی سب سے زیادہ دانش مند ہے۔ فرمایا کہ محشر میں امتوں کو انبیاے کرام کی جانب سے ندا دی جائے گی لیکن اولیاے کرام کو خدا کی جانب سے پکارا جائے گا۔ فرمایا کہ عارفین کا بلند مقام شوق ہے۔ عارف وہ ہے جو کم کھائے، کم سوئے اور کم آرام کرے اور عارف مہر تاباں کی مانند سب کو منور کر دیتا ہے اور زمین کی طرح ہر شے کا بار سنبھالے رکھتا ہے۔ آگ کی طرح سب کو راستہ دکھاتا ہے اور پانی کی طرح قلوب کو حیات تازہ دے کر سیراب کرتا رہتا ہے۔ فرمایا کہ مخلوق سے کچھ نہ طلب کرتے ہوئے دنیا سے متنفر رہنے کا نام زہد ہے۔ فرمایا کہ خود کو فنا کر دینے کے بعد عارف کو سکون ملتا ہے، فرمایا کہ میں نے زہد کے تمام وسائل اختیار کیے لیکن حقیقی زہد سے محروم رہا۔ فرمایا کہ ریاکاری سے ملنا خدا سے دوری کرنا ہے۔ کثرت سے میل ملاپ رکھنے والوں کو صدق حاصل نہیں ہوتا۔ فرمایا کہ اخلاق یہ ہیں کہ لوگوں کو اذیت دینے کے بجائے ان کی اذیت رسائی پر صبر سے کام لیں اور غصہ پر قابو پانا بھی داخل اخلاق ہے۔ فرمایا کہ گناہ سے بچنا صرف تین وجوہ سے ہوتا ہے، اول خواہش بہشت، دوم خوف جہنم، سوم خدا کی شرم۔ فرمایا کہ عبادات کو خواہشات پر ترجیح دینے سے بندہ عروج و کمال تک پہنچ جاتا ہے۔ ایک مرتبہ صبر کا مفہوم بیان کر رہے تھے کہ درس اثنائی مرتبہ بچھونے کاٹا لیکن آپ نے اف تک نہ کی۔ اپنی مناجات میں حضرت سری سقطی یہ کہا کرتے تھے کہ اے اللہ! تیری عظمت نے مناجات سے روکا اور تیری معرفت نے انس عطا کیا اور اگر زبان سے ذکر کرنے کو منع فرما دیتا تو میں زبان سے کبھی تجھے یاد نہ کرتا کیوں کہ زبان میں تیری صفات بیان کرنے کی قدرت ہی نہیں۔

حضرت جنید بغدادی سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سری سقطی نے فرمایا کہ میں بغداد میں مرنے کو اس لیے ناپسند کرتا ہوں کہ یہاں کی زمین مجھ کو قبول نہیں کرے گی اور مجھ سے حسن ظن رکھنے والے بدظنی میں مبتلا ہو جائیں گے۔ حضرت جنید بغدادی کہتے ہیں کہ جب میں عیادت کے لیے حاضر ہوا تو گرمی کی وجہ سے میں نے آپ کو پنکھا جھلنا شروع کر دیا، مگر حضرت سری سقطی نے روکتے ہوئے کہا کہ آگ اور بھڑکنے لگتی ہے، اور میری مزاج پرسی پر فرمایا کہ بندہ تو مملوک ہے اور اس کو کسی شے پر قدرت حاصل نہیں۔ پھر جب میں نے نصیحت کرنے کی درخواست کی تو فرمایا کہ مخلوق میں رہتے ہوئے خالق سے غافل نہ ہونا، یہ کہ کر حضرت سری سقطی دنیا سے رخصت ہو گئے۔

☆☆☆☆

شیخ الاسلام سید محمد مدنی اشرفی الجیلانی

بحیثیت مفسرِ قرآن

پروفیسر غلام یحییٰ انجم مصباحی

حضرت نوح علیہ السلام کو آدم ثانی کہا جاتا ہے، طوفان نوح کے بعد دنیا میں آبادی کا سلسلہ آپ ہی کی ذات قدس سے شروع ہوا، حضرت نوح علیہ السلام کی جن اولادوں سے افزائش نسل کا سلسلہ دراز ہوا ان میں ایک فرزند کا نام حام تھا۔ حام کے جس لڑکے کا نام ہند تھا وہ اپنے باپ کی نظر میں اپنے تمام بھائیوں سے زیادہ عزیز تھا۔ اسی کے نام سے اس ملک کا نام "ہند" رکھا گیا جو بعد میں چل کر ہندوستان ہو گیا۔ اسی کی نسل اس ملک میں بڑھی اور پھیلی اس کی نسل میں ایک راجہ کشن تھا جس نے سب سے پہلے مسند حکومت کو زینت بخشی اور اپنی سلطنت میں سب سے پہلے جس شہر کی بنیاد ڈالی وہ "اودھ" تھا۔ ممکن ہے کہ پہلے اس نام سے شہر رہا ہو لیکن اب تو" اودھ "ایک علاقہ کا نام ہے، جو مشرقی اتر پردیش کے کئی اضلاع پر مشتمل ہے۔ اسی میں ایک ضلع "فیض آباد" بھی ہے۔ اودھ کا یہ خطہ کسی زمانہ میں اپنی علمی ادبی اور تہذیبی امور کی بنیاد پر "شیراز ہند" کے نام سے جانا جاتا تھا جس کی بنیاد پر سلطان شاہجہاں از راہ تفاخر کہا کرتا تھا کہ " پورب شیراز ماست" علاقہ پورب ہمارا شیراز ہے۔ فیض آباد اسی خطہ کا مشہور شہر ہے، جس کی بنیاد نواب سعادت خاں برہان الملک نے ۱۷۳۰ء میں رکھی تھی۔ روح آباد جو اس وقت کچھو چھہ مقدسہ سے مشہور ہے اور فیض آباد سے ۳۴ر کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ کسی زمانہ میں اس ضلع کا روحانی مرکز تھا۔ اس وقت یہ روحانی ضلع امیڈکر نگر کے زیر انتظام ہے۔

ہندو بیرون ہند کچھوچھہ مقدسہ کی شہرت اس بنیاد پر ہے کہ اسے تارک سلطنت سیدنا مخدوم اشرف جہاں گیر سمنانی نے سمنان (خراسان، ایران) کی بادشاہت چھوڑ کر وطن ثانی کے طور پر اس خطہ کا انتخاب کیا تھا" خزینۃ الاصفیاء" میں مفتی غلام سرور لاہوری نے لکھا ہے۔

"میر جہانگیر بجائیکہ وے سکونت داشت خانقاہ عالیجاہ و حجرۂ خاص تعمیر فرمود و باغ فرحت بخش بنا نہادہ بروح آباد موسوم ساخت"۔

(خزینۃ الاصفیاء ص ۳۶۴)

یہ مقدس سرزمین جس کا نام" روح آباد" رکھا گیا وہاں پانی کی فراوانی کے لیے ایک حوض بھی تیار کیا گیا، اس حوض کا ذکر حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی کے اکثر سوانح نگاروں نے نہیں کیا ہے مگر حوض خانقاہ سے متّصل موجود ہے اور اس کی خوبی یہ ہے کہ اس پانی کے استعمال سے بیمار لوگوں کو شفا ملتی ہے، اس حوض سے متعلق شیخ المشائخ ابو احمد محمد علی حسین اشرفی میاں علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

"مزار مبارک کے گرد ایک تالاب ہے جس نے مزار شریف کا احاطہ کیا ہے اس کو "نیر شریف "کہتے ہیں یہ تالاب حضرت مخدوم العالم کے زمانہ میں صوفیان باصفا نے اس طرح تیار کیا ہے کہ پھاؤڑہ کی ہر ضرب نفی واثبات کی ضربوں کے ساتھ ہوتی تھی۔ اس کا پانی نہایت متبرک سمجھا جاتا ہے مریض اس کو پیتے ہیں اس سے غسل کرتے ہیں۔ دوسرے مقامات پر تبرک کے لیے لے جاتے ہیں۔ مریضوں کو اس سے شفا حاصل ہوتی ہے" (وظائف اشرفی)

حضرت مخدوم اشرف جہاں گیر سمنانی نے اس جگہ سے ایمان و یقین کا جو اجالا مشرقی اتر پردیش میں پھیلا یا اس کی تابانی سے پورے خطہ نور اسلام سے جگمگا اٹھا۔ اس کے لیے آپ کو نہ جانے کتنے کٹھن مراحل سے گذرنا پڑا، طرح طرح کی آزمائشیں ہوئیں مگر بحمدہٖ تعالیٰ ہر محاذ پر ثابت قدم رہ کر آپ نے حقانیت کا پرچم بلند فرمایا۔ کثرت اسفار کے باعث ازدواجی زندگی کا اہتمام نہ کر سکے، سید ابوالحسن مانکپوری نے" آئنہ اودھ" میں لکھا ہے۔

" مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی کی کوئی اولاد نہیں تھی اور جو سادات وہاں بہ لقب اولاد سید مخدوم اشرف جہاں گیر معروف ہیں یہ واقعی اولاد سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہیں بہ ورثہ مادری وہاں مقیم ہیں"۔ (آئینہ اودھ ص ۱۶۹)

حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی عالم ربانی اور عارف باللہ تصوف کے اعلیٰ مدارج پر فائز تھے سلطنت و حکومت چھوڑ کر یاد الٰہی

میں اس طرح مستغرق ہوئے کہ پھر کبھی ادھر کا رخ نہ کیا زندگی بھر سفر میں رہ کر مشائخ کرام سے ملاقاتیں کر کے اخذ فیوض وبرکات کرتے رہے، کثرف اسفار کے باعث شادی کی نوبت نہ آئی، ۲۷/ محرم الحرام کو اپنے بھانجہ وفرزند دینی حاجی عبد الرزاق کو اہم مشائخ کرام کی موجودگی میں اپنا جانشین نامزد کیا اور خرقہ خلافت عطا کر کے بزرگوں کی وہ امانتیں جو آپ کے پاس تھیں ان کے سپرد کردیں صاحب " خزینۃ الاصفیا " لکھتے ہیں۔

" بتاریخ بست وہفتم ماہ محرم الحرام میر جہاں گیر جمیع بزرگان عہد راجمع کردہ فرزند دینی خود حاجی عبد الرزاق را خرقہ خلافت عطا کردہ جا نشین خود ساخت "۔ (خزینۃ الاصفیاء ص ۳۶۵)

مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی کے اخلاف میں جس شخصیت نے سیاسی اور علمی اعتبار سے اپنا ایک مقام بنایا جس کا اعتراف اس زمانہ کے اکابر واصاغر کو تھا وہ شخصیت محدث اعظم ہند حضرت مولانا سید محمد اشرفی الجیلانی کی تھی جو حضرت سید نذر اشرف اشرفی الجیلانی کے فرزند اور صاحب تذکرہ شیخ الاسلام حضرت علامہ مولانا سید محمد مدنی اشرفی الجیلانی مدظلہ النورانی کے والد ماجد تھے۔ انہی کے متدین اور روحانی گھرانہ میں سید محمد مدنی میاں کی ولادت باسعادت ۲۸/ اگست ۱۹۳۷ء / ۱/ رجب المرجب ۱۳۵۷ھ کو ہوئی۔ آغوش مادر سے تعلیم کا آغاز کیا پھر مکتب میں داخل ہوئے وہاں کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ۱۰/ شوال المکرم ۱۳۷۱ھ / ۱۹۵۱ء کو ملک کی مایۂ ناز درسگاہ دار العلوم اشرفیہ سے وابستہ ہو گئے۔ نابغہ روزگار اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کر کے علم وفضل میں کمال حاصل کیا۔ ۱۰/ شوال المکرم ۱۳۸۲ھ / جنوری ۱۹۶۳ء میں ۲۵ سال ایک ماہ دس دن کی عمر میں اکابر علماء ومشائخ کی موجودگی میں فضیلت کا تاج زریں سر پر رکھا گیا۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد ازدواجی زندگی میں قدم رکھا اور دوست پور ضلع سلطان پور کے معزز سادات گھرانہ کے ایک قابل احترام فرد جناب سید اختر حسین کی دختر نیک اختر کے ساتھ آپ کا عقد ۲۶/ شعبان المعظم ۱۳۸۴ مطابق ۱۹۶۴ء کو ہوا۔ مناکحت کی یہ رسم آپ کے ماموں اور پیر ومرشد سرکار کلاں حضور سید مختار اشرف اشرفی الجیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وصال ۲۱/ نومبر ۱۹۹۶ء) کے ذریعہ ادا ہوئی۔ آپ نے اپنے ماموں ہی کی خدمت میں باطنی علوم کی تکمیل فرمائی چند ہی دنوں میں آپ کے ماموں اور مرشد کامل نے ریاضت ومجاہدہ کے بعد تصوف کے اعلیٰ مدارج تک پہنچادیا۔ ۲۶/ شوال المکرم ۱۳۸۱ھ ۱۹۶۱ء کو آپ نے اپنے ماموں کے دست اقدس پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔ ماموں نے بیعت کی انمول دولت سے سرفراز کرنے کے ساتھ ساتھ خلافت واجازت سے بھی نوازا اور خانوادہ کی جملہ اوراد ووظائف کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔ اس طرح دنیائے روحانیت کے تاجدار ہونے کی حیثیت سے بھی عوام وخواص نے آپ کو تسلیم کیا۔ چنانچہ ۱۶/ رجب المرجب ۱۳۸۱ھ / ۲۵/ دسمبر ۱۹۶۱ء کو جب والد ماجد محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کا وصال ہو گیا تو آپ ہی کو ان کے جانشین کے طور پر شوال المکرم ۱۳۸۱ھ / مارچ ۱۹۶۲ء میں نامزد کیا گیا۔

حضرت علامہ مدنی میاں اپنے دور کے اکابر علماء میں شمار کیے جاتے ہیں، ان کے علم وفکر میں گہرائی وگیرائی، فقہی جزئیات پر کامل دسترس، فتویٰ نویسی میں اجتہادی رنگ، فن خطابت کے اسرار ورموز سے بھرپور واقف، طریقہ افہام وتفہیم آسان وموثر، اعلیٰ انشا پرداز، صاحب طرز ادیب، بالغ نظر خطیب، آسمان رشد وہدایت کے نیر تاباں، چرخ تصوف وعرفان کے مہر درخشاں اور وسعت علم اور کمال فن میں نمایاں، الغرض ایک اچھا انسان بننے کی جتنی خوبیاں ایک انسان کے اندر ہونی چاہئیں وہ بحمدہٖ تعالیٰ سب آپ کے اندر موجود پائی جاتی ہیں۔ آپ کے انہی محاسن اور علمی فضائل ومناقب کے سبب اس دور کے اکابر علماء نے آپ کو شیخ الاسلام کے عظیم خطاب سے سرفراز فرمایا۔ حضرت علامہ سید محمد مدنی میاں اشرفی الجیلانی کی علمی وادبی خدمات کے مصنف لکھتے ہیں۔

" ۱۹۷۴ء میں اکابرین اہل سنت وجماعت کی موجودگی میں اس خطاب سے آپ کو نوازا گیا اس بابرکت محفل میں مفتی اعظم ہند مولانا مفتی الشاہ مصطفیٰ رضا خاں ابن علامہ شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ اور آپ کے پیر ومرشد شیخ المشائخ حضرت علامہ سید مختار اشرف اشرفی الجیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی موجود تھے "۔ (سید منیر پاشا باشیبان انعامدار، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی الجیلانی ص ۳۸ کرناٹک ۲۰۱۱ء)

حضرت علامہ مدنی میاں والد ماجد کی جانشینی اور ماموں جان سے بیعت وخلافت ملتے ہی مخلوق خدا کی رشد وہدایت میں لگ گئے، خاندانی معمول کے مطابق اشرفیت کا فیضان عام وتام کرنے کے لیے کمر ہمت کس لی، صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ سات سمندر پار یوروپ وامریکہ کا سفر فرما کر متلاشیان حق کی ہدایت ورہنمائی کا فریضہ

انجام دیا، دعوت وتبلیغ اور تصنیف وتالیف کے ذریعہ احقاق حق اور ابطال باطل کو اپنی زندگی کا حاصل قرار دیا، خلق خدا کی فیض رسانی کے لیے تقریر وتحریر دونوں کا آپ نے سہارا لیا اور دونوں ہی میں آپ نے قرآن واحادیث ہی کو مشعل راہ بنایا، اس لیے آپ کی تحریروں میں بالغ نظری اور تقریروں میں نکتہ آفرینی پائی جاتی ہے۔ آپ نے اپنی تحریر وتقریر دونوں میں انہیں حقائق ومعارف کو عنوان قلم اور موضوع گفتگو قرار دیا جن کی غلط تعبیریں پیش کر کے اس دور کے گمراہ علماء عوام کو ضلالت وگمراہی کی طرف کھینچ رہے تھے۔ جیسے مسئلہ حاضر وناظر، اسلام کا تصور الہ، اسلام کا نظریہ عبادت اور نظریہ ختم نبوت جیسے اہم اور مشکل مسائل پر محققانہ اور عالمانہ کتابیں لکھ کر خلق خدا کی صحیح رہنمائی کا فریضہ انجام دیا اس طرح آپ نے متعدّد موضوعات پر متعدّد کتابیں لکھیں جن کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

۱-مسئلۂ حاضر وناظر-۲-اسلام کا تصور الہ ومودودی صاحب- ۳- فریضہ دعوت وتبلیغ -۴- اسلام کا نظریہ عبادت اور مودودی صاحب- ۵- دین اور اقامت دین- ۶-اشتراکیت- ۷- شرح التحقیق الباری فی حقوق الشارع- ۸- اسلام کا نظریہ ختم نبوت اور تحذیر الناس- ۹-کنزالایمان اور دیگر تراجم قرآن کا تقابلی مطالعہ -۱۰- تفہیم حدیث شرح مشکوٰۃ شریف -۱۱-خطبات برطانیہ -۱۲-تحریک دعوت اسلامی کا تنقیدی جائزہ-۱۳-ویڈیو اور ٹی،وی کا شرعی استعمال -۱۴-کتابت نسواں اور عصری تقاضے- ۱۵- الاربعین الاشرفی فی تفہیم الحدیث النبوی- ۱۶-تعلیم دین اور تصدیق جبرئیل امین-۱۷- مقالات شیخ الاسلام -۱۸- محبت رسول ﷺ روح ایمان -۱۹- مسلم پرسنل لا یا اسلامک لا-۲۰-خطبات برطانیہ -۲۱-خطبات حیدر آباد-۲۲-سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی

لیکن دور آخر میں آپ کے جس قلمی شاہکار نے دنیائے علم وفن میں دھوم مچائی اور ارباب علم وفضل میں آپ کو زندہ جاوید بنا دیا وہ آپ کا قلمی کارنامہ ”سید التفاسیر“ یعنی ”تفسیر اشرفی“ ہے۔

تصنیف وتالیف ویسے مشکل عمل ہے اور تفسیر نویسی تو اور ہی زیادہ مشکل، اس کی مشکل پسندی صحیح اندازہ وہی کر سکتے ہیں جن کا ان خار زار وادیوں سے گذر ہوا ہو، اس فن میں قلم اٹھانے کے لیے منقولات ومعقولات دونوں علوم وفنون کا نہ صرف جاننا بلکہ دسترس حاصل ہونا ضروری ہے، چوں کہ اس میں کتاب اللہ کی تفسیر ہوتی ہے جس میں منشائے الٰہی کو واضح کرنا ہوتا ہے اس لیے تفسیر نویسی کے جو شرائط ہیں مفسر قرآن کے لیے ان شرائط سے آراستہ ہونا ضروری ہے۔ قرآن کریم کی تفہیم اور اس کی تفسیر کے لیے جن علوم کی ضرورت ہے علمائے اعلام نے اس کی تعداد تین سو سے زائد بتائی ہے ان علوم میں مہارت کے ساتھ ایک مفسر قرآن کے لیے درج ذیل خصوصیات سے بھی آراستہ ہونا ضروری ہے۔

۱۔ مفسر قرآن ذکی وفہیم ہو قرآن فہمی کی کامل ومکمل مہارت رکھتا ہو

۲۔ تمام علوم کا باضابطہ ماہر وحاذق ہو اور تجربہ کار اساتذہ سے سبقاً سبقاً پڑھا ہو۔

۳۔ علمائے معاصرین کی نظر میں اس کا علم، فہم، تقویٰ مسلم ومعتبر ہو۔

۴۔ امام جلال الدین سیوطی نے الاتقان میں جن پندرہ علوم کا ذکر کیا ہے ان میں ماہر وحاذق ہو۔

۵۔ خود رائے ہو اور متکبر نہ ہو۔ ۶۔ صحیح العقیدہ مسلمان ہو

۷۔ مفسر کو دیانت دار ہونا بہت ضروری ہے کیوں کہ جب دنیاوی امور میں غیر متدین شخص کی شہادت معتبر نہیں تو دینی امور میں بالخصوص مطالب قرآنیہ کی توضیح وتشریح میں اس کا قول کیوں کر معتبر ہو سکتا ہے۔

تفسیر نویسی کے لیے پانچ قواعد پر عمل کرنا ضروری ہے

۱۔ تفسیر القرآن بالقرآن ۲۔ تفسیر القرآن بالحدیث

۳۔ تفسیر القرآن باقوال الصحابہ

۴۔ تفسیر ان امور سے جو لغت عربیہ وقواعد اسلامیہ متعلق ہوں۔

سطور بالا میں جن خصائص کا ذکر ہوا اگر اس روشنی میں مفسر قرآن علامہ مدنی میاں کی زندگی کا جائزہ لیا جائے تو ان کی شخصیت اس کسوٹی پر پوری طرح صادق نظر آتی ہے۔ ذہانت، فطانت، فہم وتقویٰ، حلم وتدبر، تواضع وانکساری، مذہبی ومسلکی تصلب کون سی ایسی خوبی ہے جو کمال اہتمام کے ساتھ صاحب تذکرہ میں نہ پائی جاتی ہو اور ان کی ان تمام خوبیوں کو ان کی تفسیر میں جابجا قاری محسوس کر سکتا ہے۔

تفسیر نویسی کے تعلق سے جن علوم وفنون کا جاننا ضروری ہے پہلے تو علامہ مدنی نے اس میں درک حاصل کیا، پھر تفسیر نویسی کے لیے ہمت جٹائی اور ذہن وفکر کو یکجا کر کے مضبوطی سے قلم کو سنبھالا اور پھر یہ دس جلدیں تفسیر اشرفی کے نام سے منظر عام پر آئیں۔ یہاں

اس کی بھی وضاحت ضروری ہے کہ ایک مفسر قرآن کے لیے کن علوم میں درک حاصل کرنا ضروری ہے۔ تاکہ تفسیر اشرفی کے مصنف کے جلالت علم وفضل کا اندازہ لگایا جاسکے۔

ا۔علم آیات متشابہات ۲۔علم آیات مدنی و مکی ۳۔علم سبب نزول ۴۔علم جمع وترتیب قرآن ۵۔علم وقف وابتدا ۶۔علم آداب تلاوت ۷۔علم غریب ۸۔علم ضمائر ۹۔علم افراد وجمع ۱۰۔علم محکم ومتشابہ ۱۱۔علم بدیع ۱۲۔علم فواصل آیات ۱۳۔علم فواتح ۱۴۔علم مناسبہ ۱۵۔علم ناسخ منسوخ ۱۶۔علم امثال القرآن ۱۷۔علم قرآت ۱۸۔علم صرف ونحو ۱۹۔علم معانی وبیان ۲۰۔علم فقہ واصول فقہ ۲۱۔علم کلام ومنطق ۲۲۔علم تاریخ ۲۳۔علم جغرافیہ ۲۴۔علم حدیث واصول حدیث ۲۵۔علم جدل والخلاف ۲۶۔علم الحقائق ۲۷۔علم الحساب ۲۸۔علم السیرۃ وغیرہ

کل شئی یترشح من الاناء بما فیہ ”کہا جاتا ہے کہ برتن میں جو ہوتا ہے وہی ٹپکتا ہے“۔ علامہ مدنی میاں کی تفسیر کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے مذکورہ علوم وفنون میں کون سا ایسا علم ہے مصنف نے تفسیر نویسی میں جس کا سہارا نہ لیا ہو

کلام اللہ کی تلاوت کرنا اور اس کی توضیح وتشریح سے بندگان حق کو اس کی نیت ومنشا سے باخبر کرنا کہ وہ خلاق عالم کی کنہ وحقیقت اور اس کے اسرار ومعارف سے آگاہ ہوسکیں ایک مبارک عمل ہے، مگر اس کی توفیق سب کو حاصل نہیں، اسی دنیا میں کئی ایک ایسے صاحبان عقل ودانش گذرے ہیں جن کے نوک قلم سے سیکڑوں کتابیں منظر عام پر آئیں مگر انہیں تفسیر نویسی کی توفیق نہیں حاصل ہوسکی، مگر جن مصنفین کو اس کی سعادت ملی وہ بھی سیکڑوں اور ہزاروں میں ہیں۔ جب ہم عہد نبوی سے لے کر عہد حاضر کے مصنفین تک تفسیر لکھنے والوں کا جائزہ لیتے ہیں تو صرف ہندوستان کے مفسرین اور قرآنیات پر لکھنے والوں کی فہرست سو سے متجاوز ہوجاتی ہے۔

خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تفسیر نویسی کا آغاز ہوتا ہے خلفائے راشدین میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے زیادہ تفسیری روایات مروی ہیں جس کی وجہ یہ تھی کہ خلفائے ثلاثہ پہلے دنیا سے تشریف لے گئے نیز انہیں فتوحات اور تدبیر مملکت سے اتنی فرصت ہی نہ ملی کہ باقاعدہ درس تفسیر قرآن کا اہتمام کرتے تاہم قرآن کریم میں ان کے تبحر علمی کا اندازہ ان کے مواعظ وخطبات اور ارشادات وفرمودات کے علاوہ تاریخی فیصلوں سے لگایا جاسکتا ہے کہ کس طرح وہ قرآن کریم سے مسائل کا استنباط فرماتے تھے بعض علمائے تفسیر نے اس تعلق سے درج ذیل اسباب بیان کیے ہیں۔

ا۔رسول اکرم ﷺ سے خصوصی تقرب تھا۔

۲۔خود رسول اکرم ﷺ آپ کو قرآن مجید کی خصوصی تعلیم دیتے تھے۔

۳۔بعض آیات قرآنیہ کی تفسیر رسول اکرم ﷺ آپ سے فرماتے تھے۔

۴۔عربی زبان میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔

۵۔عربی زبان وادب کے اسالیب سے گہری وابستگی رکھتے تھے

۶۔اجتہاد واستنباط کی قوت کے مالک تھے۔

۷۔اسباب نزول سے کامل آگاہی رکھتے تھے۔

یہی وہ محاسن اور اسباب تھے جس کی بنا پر حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم جیسا مفسر قرآن نہ تو اُس دور میں تھا اور نہ ہی اس دور میں کوئی گذرا ہے۔ امام اہل سنت حضرت مولانا شاہ احمد رضا قادری علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں۔

”ہر آیت کے ساٹھ ہزار مفہوم ہیں اور مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ اگر میں چاہوں کہ ستر اونٹ قرآن کریم کی تفسیر سے بھر دوں تو ایسا کر دوں گا اور علامہ ابراہیم کی شرح بردہ کی ابتدا میں یہ الفاظ ملتے ہیں کہ ہر آیت سے ساٹھ ہزار مفہوم ہیں اور جو مفاہیم باقی رہے وہ بہت زائد ہیں اور ان کے الفاظ اثر امیر المومنین میں یہ ہیں کہ اگر میں چاہوں تو تفسیر فاتحہ سے ستر اونٹ بھر دوں اور الیواقیت و الجواہر مولفہ امام عبد الوہاب شعرانی میں امام اجل ابو تراب بخشی سے مروی ہے کہ کہاں ہیں منکرین قول مولیٰ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اگر میں تم سے تفسیر فاتحہ بیان کردوں تو تمھارے لیے ستر اونٹ بار آور کردوں اور علامہ عثمادی کی شرح صلاۃ سیدی احمد کبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے کہ ہمارے سردار عمر محضار سے مروی ہے کہ اگر میں چاہوں کہ تمہیں زبانی بتا کر لکھادوں کچھ تفسیر ما ننسخ من آیاتہ کی تو لد جائیں ایک لاکھ اونٹ اور اس کی تفسیر ختم نہ ہو تو یقیناً میں ایسا کروں۔ اور اسی میں خلیفہ ابوالفضل کے گھرانے کے بعض اولیاء سے روایت ہے کہ ہم نے قرآن کریم کے ہر حرف کے تحت چالیس کروڑ معانی پائے اور اس کے ہر

حرف ایک مقام میں جو معانی ہیں وہ ان معانی کے سوا ہیں جو دوسرے مقام میں ہیں اور فرمایا کہ ہمارے سردار علی خواص نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مطلع فرمایا سورہ فاتحہ کے معنیٰ پر تو مجھے ان سے ایک لاکھ چالیس ہزار نو سو نوے علوم منکشف ہوئے اور زرقانی مواہب لدنیہ سے علامہ غزالی نے اپنی کتاب میں در بارۂ علم لدنی قول مولیٰ علی سے ذکر فرمایا اگر لپیٹ دیا جائے میرے لیے تکیہ تو میں بسم اللہ کے ب کی تفسیر میں ستر اونٹ بھر دوں اور امام شعرانی کی میزان الشریعۃ الکبریٰ میں ہے میرے بھائی افضل الدین نے سورۂ فاتحہ سے دو لاکھ سینتالیس ہزار نو سو ننانوے علم استخراج کیے پھر ان سب کو بسم اللہ کی طرف راجع کر دیا پھر بائے بسم اللہ کی جانب پھر اس نقطہ کی طرف جو ب کے نیچے ہے"۔

(الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیہ ص ۲۸۱)

اس عبارت سے صاف واضح ہے کہ جس کے علم میں جتنی گہرائی ہوتی ہے اسی اعتبار سے قرآن کریم کی توضیح وتشریح میں قدرت اور مہارت حاصل ہوتی ہے، اس کے تفسیر قرآن میں مفسر قرآن کے مزاج کا بھی عنصر کا شامل ہونا بھی لابدی امر ہے۔یعنی اگر کوئی ادیب ہے تو قرآن کریم کی تفسیر میں فصاحت وبلاغت کے غلبہ کا پایا جانا ضروری ہے جس طرح زمخشری کی تفسیر "الکشاف" ہے اور اگر کوئی منطقی وفلسفی ہے تو اس کے قرآنی آیات کی تفسیر میں عقلی توضیح وتشریح کا عمل دخل زیادہ ہوتا ہے جیسے امام فخر الدین رازی کی "تفسیر کبیر" اور اگر کوئی مفسر صوفیانہ مزاج رکھتا ہے تو اس کے یہاں آیات کریمہ کی صوفیانہ تشریح لازمی ہے جیسے علامہ آلوسی کی "روح البیان" الغرض لوگ اپنے ذوق اور مزاج کے مطابق قرآن کی تفسیریں کرنے لگے۔ زجاج (م ۳۱۱ھ) اور ابوالحسن کسائی (م ۱۸۰ھ) نے قرآن کریم کی تفسیر میں اپنے ذوق اور مزاج کے مطابق لفظی تصرفات اور وجوہ اعراب سے متعلق بحثیں کیں۔ ابن اثیر الجزری (م ۶۰۶ھ) نے قصص وواقعات پر زیادہ زور دیا الغرض ہر ایک مفسر نے قرآن کریم کی تفسیر لکھنے کا فریضہ انجام دیا جس کے نمونے کتب تفاسیر میں دیکھے جا سکتے ہیں اور جب بنام مسلم متعدد فرقے عالم وجود میں آئے تو ان مفسرین نے تفسیر کی بنیاد پر اپنے عقائد ونظریات پر رکھنی شروع کر دیں اور پھر اس کی روشنی میں قرآن کریم کی تفسیریں لکھی جانے لگیں ان فرقوں کے وجود میں آتے ہی قرآن کریم کو اپنے خیالات ونظریات میں ڈھال کر پیش کرنے کا سلسلہ شروع ہوا ایسی تفاسیر میں زمخشری (م ۸۵۴ء) کی تفسیر الکشاف عن حقائق التاویل وعیون الاقاویل فی وجوہ التاویل۔ ابوعلی الجبائی (م ۹۱۵ء) کی تفسیر القرآن الکریم۔ ابوالحسن الرمانی (م ۹۹۴ء) کی تفسیر القرآن الکریم۔ عبد السلام القزوینی (م ۱۰۹۰ء) کی تفسیر القرآن الکریم۔ الحسن العسکری (م ۹۶۱ء) کی تفسیر العسکری ابوعلی الطبرسی (م ۱۱۵۳ء) کی مجمع البیان۔ ابو جعفر طوسی (م ۱۰۶۷ء) کی تفسیر التبیان۔ ابوعبداللہ محمد شوکانی (م ۱۸۳۴ء) کی فتح القدیر۔ عطیہ بن محمد نجران زیدی (م ۹۷۵ء) کی تفسیر عطیہ۔ محمد اطفیش الجزائری (م ۱۹۴۱ء) کی همیان الزادالیٰ دار العماد۔ الجصاص (م ۹۸۰ء) کی احکام القرآن۔ الکیا ہرّاسی (م ۱۱۱۰ء) کی احکام القرآن۔ جلال الدین سیوطی (م ۱۵۰۵ء) کی الاکلیل فی اثبات التنزیل۔ محمد القرطبی (م ۱۲۲۳ء) کی الجامع لاحکام القرآن اور صوفیانہ تفسیر میں سہل تستری (م ۱۸۹۶ء) کی تفسیر القرآن الکریم، ابوعبدالرحمان السلمی (م ۸۹۶ء) حقائق التفسیر اور ابومحمد روز بہان (۱۲۰۹ء) کی تفسیر عرائس البیان فی حقائق القرآن کا مطالعہ مفید ہوگا۔

تفاسیر کے علاوہ مترجمین قرآن نے بھی اپنی ترجمہ نگاری کے اندر بھی اپنے عقائد ونظریات کو پیش نظر رکھا ہے جس کے باعث قرآن کریم کے ترجمے میں بہت اختلافات پائے جاتے ہیں۔ قرآن کریم کے ترجمہ میں مترجم قرآن نے اپنے عقائد ونظریات کو بھی پیش نظر رکھا ہے مسلک اہل سنت، مسلک شیعیت، مسلک دیوبندیت، مسلک وہابیت جیسے دوسرے مسالک جو اس وقت ہندوستان میں پائے جاتے ہیں یہ تراجم ان مسلکی اختلافات سے خالی نہیں ایسے تراجم وتفاسیر میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی " تفهیم القرآن"، امام اہل سنت مولانا احمد رضا خاں کا "کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن"، غلام نبی عبداللہ چکڑالوی کی "ترجمۃ القرآن بآیات القرآن"، نواب صدیق حسن خاں کی "ترجمان القرآن فی الطاف البیان"، مولانا اشرف علی تھانوی کی "بیان القرآن" اور مولانا احمد یار خاں نعیمی کی " نور العرفان فی ترجمۃ القرآن" اور سرسید کی" تفسیر القرآن هو الهدیٰ والفرقان" کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ ان حضرات کے تراجم وتفاسیر قرآن میں عقائد ونظریات کے باعث کیا تبدیلیاں ہوئیں ہیں یہ باضابطہ بحث کا موضوع ہے جس پر بعض اہل قلم نے طبع آزمائی کی ہے یہاں صرف مثال کے طور صرف

ایک آیت کا ترجمہ دیا جارہا ہے جس میں ان مترجمین کے عقائد ونظریات کی جھلکیاں کی جھلکیوں کو بخوبی محسوس کیا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر یہ آیت کریمہ

" اِنافتحنا لك فتحا مبینا لیغفر لك اللہ ما تقدم من ذنبك وما تاخر "(الفتح . ۱)

اس آیت کا ترجمہ مفسرین اور مترجمین قرآن نے اس طرح کیا ہے جس سے واضح طور محسوس کیا جاسکتا ہے کہ ان کے عقائد کیا ہیں ؟ اور ان کے نزدیک عصمت رسول اکرم ﷺ کی حیثیت کیا ہے ؟

ا۔ مولانا محمود حسن دیوبندی

"ہم نے فیصلہ کردیا تیرے واسطے صریح فیصلہ تاکہ معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے ہو چکے تیرے گناہ اور جو پیچھے رہے "

۲۔ مولانا اشرف علی تھانوی

" اے شک ہم نے آپ کو کھلم کھلا فتح دی تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی اگلی اور پچھلی خطائیں معاف فرمادے "

۳۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی

" اے نبی ہم نے تم کو کھلی فتح عطا کردی تاکہ اللہ تمھاری اگلی پچھلی ہر کوتاہی سے درگذر فرمائے "

۴۔ مولوی عبدالماجد دریاآبادی

" بے شک ہم نے آپ پر ایک کھلم کھلا فتح دی تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی (سب) اگلی پچھلی خطائیں معاف کردے "

۵۔ مولانا ابوالکلام آزاد

" اے پیغمبر ہم نے آپ کو کھلی فتح دی تاکہ اللہ (اس کی وجہ سے) آپ کی اگلی اور پچھلی تمام خطاؤں کو معاف کردے "

٦۔ مولانا احمد رضاں خاں قادری

" بے شک ہم نے تمھارے لیے روشن فتح فرمادی تاکہ اللہ تمھارے سبب سے گناہ بخشے اگلوں کے اور تمھارے پچھلوں کے "

مولانا احمد رضا خاں قادری نے اس ترجمہ میں اکابر علماء کے ترجمہ کا بھرپور خیال رکھا ہے۔ بیشتر علما جس میں امام ابو منصور ماتریدی ،امام بدر الدین عینی ، سید شریف جرجانی ، ابو بکر ابن العربی مالکی ، امام احمد شہاب الدین خفاجی ، حضرت عطا خراسانی ، حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی شامل ہیں ، ان تمام لوگوں نے لیغفر لك اللہ میں جو لام ہے اسے لام الاجل مان کر آپ کے اگلوں یعنی ابوین اور پچھلوں یعنی امت کے گناہ کی مغفرت کی بات کہی ہے۔ جس کا خیال مولانا احمد رضا نے اپنے ترجمۂ قرآن میں کیا ہے۔ لام الاجل قرار دینے کی صورت میں ترجمہ یوں ہوگا۔

"تاکہ معاف کرے اللہ آپ کے سبب آپ کی وجہ سے آپ کے واسطہ " آپ کے " ابوین " کے ذنب آپ کی برکت سے اور آپ کی امت کے ذنوب آپ کی دعا کی وجہ سے "

حضرت عطا خراسانی نے اس آیہ کریمہ میں ماتقدم من ذنبک سے " ذنب ابو یك "کہ کر" ابو ی "کو مضاف الیہ مضاف مقدر تسلیم کیا ہے ۔ اور " ابو ین " سے مراد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام " کے ابوین " مراد لیے ہیں ۔ اور " ابو ین " سے مراد " ابو ین قر یب "اور "ابو ین بعید "دونوں ہو سکتے ہیں، تو انہوں نے آدم و حوا کہ کر "ابو ین بعید " مراد لیے ہیں۔ یہ بات تو تھی ذنب ماتقدم کی اور ذنب ماتاخر کی وضاحت میں انھوں نے ذنوب امتک کہا ہے جس کا معنیٰ امت کے ذنوب ہیں یعنی جب ذنبک ماتقدم اور ماتاخر سے متعلق ہوا تو ذنب ماتقدم سے " ذنب ابوین " اور ذنب ماتاخر سے " ذنوب امت " ہوئے تو " ذنب ابوین " کی بخشش آپ کی برکت سے اور " ذنوب امت " کی بخشش آپ کی دعوت ودعا سے ہوئی ۔ اور حضرت آدم و حضرت حوا علیہما السلام آپ سے پہلے ہونے کی وجہ سے " اگلے ' اور امت آپ کے بعد اور پیچھے ہونے کی وجہ سے ' پچھلے " کہلوائی ۔ گویا دونوں کی مغفرت اور بخشش کی علت وسبب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات گرامی قرار پائی تو آیت کریمہ کے اس حصہ کا معنیٰ یوں ہوا۔

تاکہ مغفرت کرے اللہ آپ کے سبب، آپ کے اگلوں (یعنی ابوین بعید)اور پچھلوں یعنی امت کے ذنب کی۔

(لفظ ذنب کی تحقیق، شاہ حسین گردیزی ص۱۸۱ دہلی ۲۰۰۸ء)

جن مفسرین قرآن کی تفسیر نویسی سے قاری کے ایمان کو جلا ملتی ہے اور نور ایمان سے اس کا دل منور و مجلیٰ ہوتا ہے۔ ان تفاسیر میں خانودہ اشرفیہ میں لکھی گئی جملہ تفاسیر بطور خاص سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ اس خانوادہ کے ارباب علم ودانش کے نوک قلم سے لکھی گئی جن تفسیروں اور تراجم کے نام کتب سوانح میں ملتے ہیں ان کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

(جاری)...

فکر و نظر

بزمِ دانش میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر و بصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ ہم اربابِ قلم اور علماے اسلام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں ۔از: مبارک حسین مصباحی

ستمبر ۲۰۱۶ء کا عنوان	۲۰۱۷ء کے یوپی الیکشن میں مسلمانوں کا لائحۂ عمل کیا ہونا چاہیے؟
اکتوبر ۲۰۱۶ء کا عنوان	اہلِ سنت کے غیر مربوط علما اور مشائخ۔ اسباب اور حل

اسلامی موضوعات پر اخبارات کے گوشے کاغذ بنانے والی کمپنیوں کو فروخت کریں

از: مولانا محمد ساجد رضا مصباحی، استاذ جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف، اوریا

الیکٹرانک میڈیا کے وجود میں آنے کے بعد ایسا تصور کیا جا رہا تھا کہ اب پرنٹ میڈیا کی روشنی ماند پڑ جائے گی، اور لوگ دھیرے دھیرے پرنٹ میڈیا سے دور ہوتے جائیں گے، لیکن یہ خیال یکسر غلط ثابت ہوا اور پرنٹ میڈیا کی اہمیت وافادیت اپنی جگہ برقرار رہی، بلکہ گزرتے وقت کے ساتھ پرنٹ میڈیا کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا، رسائل، جرائد اور مجلات کی اہمیت اصحاب فکر شعور اور اہل علم کے درمیان آج بھی تسلیم کی جاتی ہے۔ شوشل میڈیا کے اس برق رفتار اور ترقی یافتہ دور میں بھی قارئیں ہر صبح اخبارات کا شدت سے انتظار کرتے ہیں، اخبارات میں شائع مختلف خبروں، تجزیوں اور تبصروں سے نہ صرف یہ کہ معلومات میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ بیدار مغزی کے ساتھ حالات زمانہ کا مطالعہ کرنے والوں کے اندر سیاسی شعور بھی پیدا ہوتا ہے۔

اس وقت ملک اور بیرون ملک ہزاروں اردو اخبارات شائع ہوتے ہیں، ان اخبارات میں خبروں کے علاوہ بھی مختلف کالمز ہوتے ہیں، جن کے تحت مضامین شائع ہوتے ہیں، تقریبا اردو کے تمام اخبارات میں دیگر موضوعات کے ساتھ اسلامی موضوعات پر بھی مضامین شائع کیے جاتے، خاص طور سے جمعہ ایڈیشن میں لازمی طور اسلامیات کے مختلف موضوعات پر مضامین شائع ہوتے ہیں۔ اخبارات میں شائع ان مضامین کی اہمیت وافادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، قارئین ان مضامین کے ذریعہ اپنی معلومات میں اضافہ کرتے ہیں، سیرت و سوانح اور اخلاقیات پر مشتمل تحریریں سماجی سطح پر اصلاح و موعظت کا کام کرتی ہیں، اور ایک بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ مذہبیات سے قارئین کی دل چسپی قائم رہتی ہے۔

لیکن تشویش کی بات یہ ہے کہ ان مضامین میں اسم جلالت اور اسم محمد ﷺ اور دیگر مبارک اسما کا ذکر آتا ہے، آیات قرآنیہ شائع کیے جاتے، آیات کے ترجمے اور احادیث مبارکہ بھی شائع کیے جاتے ہیں، اسلامی نقطہ نظر سے ان چیزوں کا ادب واحترام لازم ہے اور بے ادبی ناجائز و گناہ۔ عام طور پر اخبارات میں شائع ان محترم الفاظ اور عبارات کے ادب واحترام کا خیال نہیں رکھا جاتا، دن گزرنے کے بعد اخبارات گھر کے کسی کونے میں ڈال دیے جاتے ہیں، یا کسی دکان دار کے ہاتھ فروخت کر دیے جاتے ہیں، جو ان اخبارات کو اپنے سودا سلف بیچنے کے کام میں استعمال کرتے ہیں، اکثر یہ اخبارات دوکان دار

کے یہاں سے گندی نالیوں اور کوڑے دانوں تک پہنچ جاتے ہیں ،راستوں میں جوتوں کے ذریعہ کچلے جاتے ہیں ۔ اس طرح جہاں عربی الفاظ کی بے حرمتی ہوتی ہے وہیں خاص اسم جلالت اور اسم رسول عربی اور آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کی بڑی بے حرمتی ہوتی نظر آتی ہے ۔ظاہر ہے ایک مرد مومن کے لیے یہ بڑی تکلیف اور تشویش کی بات ہے۔

ہمیں اس تشویش ناک صورت حال سے نمٹنے اور اس گناہ سے بچنے کے ممکنہ تدابیر پر غور کرنے کی سخت ضرورت ہے ،عام طور پر اس جانب توجہ نہیں دی جاتی اور اچھے خاصے پڑھے لکھے مسلمان بھی اس جُرم کے مرتکب نظر آتے ہیں۔

قارئین اگر اخبارات کو مطالعہ کے بعد ادھر ادھر پھینکنے یا دو کان داروں کے ہاتھ فروخت کرنے کے بجائے انہیں محفوظ رکھنے کی کوئی تدبیر کر لیں تو ان کے پاس ایک بڑا ریکارڈ اور خزانہ محفوظ ہو جائے گا اور وہ بے حرمتی کے وبال سے بھی بچ جائے گا۔ بہت ساری لائبریریوں اور اداروں میں اس کا التزام کیا جاتا ہے ، اگر مکان کی وسعت اجازت دے تو کتابوں کے ساتھ اخبارات کو بھی محفوظ کرنا ایک مفید عمل ہو گا۔ لیکن اگر ان اخبارات کو محفوظ کرنے کی کوئی صورت نہ پیدا ہو سکے تو قارئین کے لیے یہ احتیاط بہر حال لازم ہے کم از کم اسلامی موضوعات پر شائع ہونے والے مضامین کی cutting اپنے پاس محفوظ رکھیں تاکہ کسی طرح بھی اسم جلالت ، اسم رسالت اور قرآن و حدیث کی بے حرمتی کے مجرم نہ ٹھہریں۔

کاغذ بنانے والی کمپنیاں شائع شدہ اخبارات کو خرید کر انہیں سڑا گلا کر دوبارہ کاغذ بناتی ہیں ، ایسی کمپنیوں کے ایجنٹ ہر شہر اور قصبہ میں موجود ہوتے ہیں ،اگر اخبارات خاص طور سے اخبارات میں شائع اسلامیات کے حفاظت کی کوئی صورت نہ ہو تو میری ناقص رائے کے مطابق ان کمپنیوں کو اخبارات فروخت کرنے کی صورت میں بے حرمتی کا خدشہ بہت حد تک کم ہو جاتا ہے ، لہذا اخبارات میں شائع اسلامی موضوعات کی بے حرمتی سے بچنے کی ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں درستگی پر قائم ودائم فرمائے اور ہر طرح کے منہیات سے پرہیز کی توفیق عطا فرمائے۔

☆☆☆☆☆☆

قرآن کریم ، احادیث وغیرہ مضامین پر مشتمل اخبارات کی حفاظت کے لیے ریسائکلنگ کی گنجائش ہے یا نہیں ؟

از: صابر رضا رہبر مصباحی، روزنامہ انقلاب پٹنہ

اردو اخبارات نہ صرف ذرائع ابلاغ کے اہم ستون ہیں بلکہ دعوت و تبلیغ کا موثر ترین ذریعہ بھی ہیں ،آپ ہر صبح بلاناغہ ہزاروں افراد تک اسلام کے آفاقی پیغامات کو آسانی کے ساتھ اخبارات کے ذریعہ پہنچاسکتے ہیں اس میں نہ قرب وبعد کی حدفاصل مخل ہوں گی نہ ہی مسلک و مذہب اور مشرب کی دیواریں آپ کی باتوں کو غیر تک پہنچانے میں مانع ہوں گی۔ اخبارات نے آزادی اظہار رائے کے نام پر قارئین کے ذہن و فکر کو اپنا اسیر بنالیا ہے اور بہت حد تک قارئین کے فیصلہ پر اثر انداز بھی ہوتا ہے چوں کہ اخبارات بلا تعطل ہر صبح چائے کی میز پر نئی آب و تاب اور نمک مصالحہ کے ساتھ حاضر ہو جاتا ہے اور اپنے پسندیدہ کالم کے ساتھ قاری کی دلچسپی کا سامان فراہم کرتا ہے۔

اردو کے چند اخبارات جن میں ہند سماچار، پرتاپ اور ملاپ وغیرہ (ان اخباروں کو چھوڑ کر جن کے مالکان نہ صرف کٹر ہندو ہیں بلکہ اردو اخبار صرف پیسہ کمانے کے لیے نکالتے ہیں) کے علاوہ جتنے بھی اردو اخبارات ہیں سب میں اسلامی تعلیمات پر مبنی دینی کالم ہوتے ہیں جبکہ جمعہ کے دن خصوصی ضمیمہ کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ کئی اخبارات توقرآن کریم کی آیات کے تراجم اور احادیث مقدسہ قسط وار شائع کرتے ہیں جس کا قارئین بڑے شوق سے مطالعہ کرتے ہیں ۔یہی نہیں یہ کالمز اخبار کے سرکولیشن پر بھی گہری چھاپ چھوڑتے ہیں۔

اخبارات میں شائع ہونے والے اسلامی مضامین اخبار کے اشاعت میں مثبت ومنفی دونوں کردار ادا کرتے ہیں ۔ وہ قارئین موٹی موٹی کتابیں پڑھنے میں الجھن محسوس کرتے ہیں یا پھر انہیں دستیاب نہیں ہو پاتی ہیں (ایسے افراد کی تعداد زیادہ ہے)وہ ان مضامین سے اپنی تشنگی بجھانے کا سامان مہیا کرتے ہیں جس کی وجہ سے

اخبار کا سرکولیشن بڑھتا ہے مگر یہ تصویر کا صرف ایک رخ ہے، اس کا دوسرا پہلو وہ ہے جو اخبار کے دائرہ کو محدود کرتا ہے، قرآن کریم کی آیات، احادیث، بزرگان دین کے اقوال اور دیگر اسلامی مضامین کی اشاعت کی وجہ سے قارئین کا ایک بڑا طبقہ اردو اخبار پر ہندی اور انگریزی اخبار خریدار زیادہ پسند کرتے ہیں بلکہ وہ مفت میں بھی اردو اخبار لینا پسند نہیں کرتے ہیں کیوں کہ ان کے سامنے مشکل آن پڑتی ہے کہ دینی مضامین پر مشتمل اخبار کے صفحہ کی حفاظت کی ذمہ داری ان کے سر آجاتی ہے پھر یا تو وہ اسے حفاظت کے ساتھ گھر میں بلند مقام پر رکھتے ہیں یا پھر اسے جمع کر کے دریا برد کر دیتے ہیں۔ اس کا ذاتی تجربہ مجھے اس وقت ہوا جب میں ایک سروے مہم کا حصہ بنا۔ سروے کے دوران براہ راست اردو قارئین سے گفت وشنید کا موقع ملا، سیکڑوں نے قارئین کا شکوہ کناں تھے کہ بھائی اردو اخبار خرید تو لیں لیکن پھر اس کی حرمت کا پاس ولحاظ کیوں کر رکھا جائے۔ اس میں قرآنی آیات واحادیث درج ہوتے ہیں، اللہ ورسول کا تذکرہ ہوتا ہے، بزرگان دین کے کارنامے ہوتے ہیں ۔ ماہ بھر میں اخبار کا بنڈل ہو جاتا ہے اور چند برسوں میں وہ گودام کا مطالبہ کر لگتا ہے اور یہ ممکن نہیں کیوں کہ اسے ردی کی شکل میں فروخت بھی نہیں کر سکتے ہیں کیوں کہ اس میں بھی بے حرمتی کا گمان اغلب ہے، نہ جانے وہ اس کا کیا کریں گے؟

دوسری بات یہ ہے کہ ہندی اور انگریزی کے مقابلے اردو اخبارات کی ردی محض کوڑی کے بھاؤ میں خریدی جاتی ہے، خریدار کا کہنا ہوتا ہے کہ اس کے لفافے وغیرہ نہیں بنتے ہیں اور نہ ہی اس کا استعمال کسی اور کام کے لیے کیا جاتا ہے بلکہ اسے ری سائیکلنگ کے لیے بھیجا جاتا ہے اور اس میں منافع کم ہے پھر وہ آٹھ دس روپے کلو اردو اخبارات خرید کر چالیس پچاس روپے فروخت کرتے ہیں جبکہ انگریزی وہندی کے ساتھ وہ اس لیے نہیں کر پاتے ہیں کہ وہ خود چھوٹے چھوٹے لفافے بناتے ہیں یا انہیں لفافہ سازوں کو فروخت کر دیتے ہیں یا پھر اسے ہوٹل وغیرہ میں پہنچا دیتے ہیں جہاں انہیں اچھی قیمت مل جاتی ہے جبکہ اردو اخبار کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔

اردو قارئین کی اچھی یا بری خوبی یہ بھی ہے کہ وہ کسی ہوٹل، ٹھیلہ یا پھر میڈیکل اسٹور میں اردو اخبار لفافہ استعمال کرتے دیکھ کر یہ جانے بغیر ہی بھڑک اٹھتے ہیں اور لعن طعن شروع کر دیتے ہیں کہ اس میں لکھا کیا ہے؟ حالاں کہ اردو اخبار کا قلیل حصہ ہی دینیات پر مشتمل ہوتا ہے جب کہ کچھ لوگ دینی مضامین پر مشتمل صفحات کو کاٹ چھانٹ کر اردو اخبار کو کباڑ والوں کے ہاتھوں فروخت کرتے ہیں۔

پرانے اخبارات کی کاپیوں اور دیگر کاغذ کی ردی کو تلف کرنا بھی ایک اہم مسئلہ ہے اگر اس ردی کو باہر نکالا جائے تو بہت سی خفیہ معلومات نامناسب لوگوں تک پہنچنے کا خطرہ رہتا ہے اسی طرح دینی واسلامی تعلیمات پر مبنی تحریروں کی بے حرمتی کا خدشہ بھی دامن گیر رہتا ہے۔ حساس نوعیت کے آفس میں ردی کاغذوں کو تلف کرنے کے لیے پیپر شریڈر لگے ہوتے ہیں جن میں کاغذ ڈالتے ہی یا تو جل جاتا ہے یا پھر اس کے اتنے باریک ٹکڑے ہو جاتے ہیں کہ انھیں جوڑ کر پڑھنا ناممکن ہوتا ہے۔ اس ردی کو دوبارہ قابل استعمال بنانے کا طریقہ بھی ایجاد ہو چکا ہے کاغذ کو ری سائکل کرنے کے لیے بہت زیادہ مقدار میں پانی درکار ہوتا ہے اور انھیں ری سائکل کرنے کے لیے بہت بڑے کارخانے لگانے پڑتے ہیں لیکن پرنٹر بنانے والی کمپنی اپیسن نے ردی کاغذوں کو آفس ہی میں ری سائکل کرنے کے لیے ایک مشین متعارف کرائی ہے اس مشین کو پیپر لیب کا نام دیا گیا جس کے ذریعہ آفس میں ردی کاغذ کو ری سائکل کر کے دوبارہ استعمال کے قابل بنایا جاسکتا ہے اس طریقے سے ردی کو ٹھکانے لگانے کا مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ اپیسن پیپر لیب کی جسامت ایک بڑے واٹر کولر جیسی ہوتی ہے اس میں ردی پیپر ڈالنے کے بعد اسٹارٹ کا بٹن دبانے سے یہ کام کرنا شروع ہو جاتی ہے اپیسن کا دعویٰ ہے کہ ردی سے کاغذ کی پہلی شیٹ تین منٹ میں تیار ہو جاتی ہے اس پیپر لیب مشین کو ماحول دوست مشین کا نام دیا گیا ہے اس میں ڈرائی فائبر ٹیکنالوجی استعمال کی گئی ہے یہ مشین حال ہی میں جاپان میں ہونے والی ماحول دوست ٹیکنالوجی مصنوعات کی نمائش میں پیش کی گئی ہے۔

انٹرنیٹ نے ہمارے بہت سے کاموں کو آسان کر دیا ہے، موبائل فون سے لے کر مکان خریدنے تک، یہاں ہر چیز کا حل ہے یہی نہیں پرانی چیزوں کو ٹھکانے لگانے کے لیے بھی اوے لے کس اور کوکر جیسی سائٹس موجود ہیں لیکن پرانے اخبار اور خراب پڑے لوہے کے ٹکرے اور لکڑی وغیرہ کے خریدار بھی اب انٹرنیٹ سے

جڑ گئے ہیں بھوپال کے ایک آئی ٹی انجینئر انوراگ اساتی نے اپنے پروفیسر گوبندر رگھوونشی کے ساتھ مل 'دی کباڑی والا پراجیکٹ' شروع کیا ہے جو لوگوں کو بغیر کسی جھنجھٹ کے، بغیر وقت ضائع کیے آسانی سے ان ردی کاغذوں کی صحیح قیمت دلاتا ہے۔ وہ پرانے اخبارات کو ری سائیکلنگ کمپنیوں کو فروخت کر دیتے ہیں۔ صرف ۲۰؍ ہزار روپے کی لاگت سے شروع کیا گیا یہ انٹرپرائز ۴۰؍ فیصد منافع کے ساتھ آج ۱۲؍ ہزار سے زیادہ صارفین سے جڑ چکا ہے۔ فی الحال بھوپال، جبل پور، گوالیار، اندور، بیتول، ساگر، دموہ سے ' دی کباڑی والا' کے گودام ہیں جب کہ آنے والے دنوں میں ممبئی، اتر پردیش، دہلی اور چھتیس گڑھ تک اپنا کاروبار بڑھانے کا منصوبہ ہے۔

ایک دن اگر اخبار نہ آئے تو چائے کا ذائقہ بد مزہ ہو جاتا ہے لیکن پڑھنے کے ساتھ ہی اسے ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا جاتا ہے، اس کے بعد ماہ کے آخر میں اسے کباڑی کے حوالے کر دیا جاتا ہے لیکن کیا آپ یہ جانتے ہیں کہ آپ کے یہ پرانے اخبارات بھی کیا شے ہیں، اسٹیشن پر مسافروں کے لیے وہ بستر بن جاتا ہے مگر جب وہ برتھ پر بیٹھتے ہیں تو اسی بستر سے گندگی کو صاف کرتے ہوئے ریلوے ٹریک پر پھینک دیتے ہیں، چاٹ فوڈ، چھوٹے موٹے ہوٹلوں اور سڑک کنارے خونچے والے اخبار کو پلیٹ کی شکل میں استعمال کرتے ہیں یہی نہیں اخبار کے ٹکرے کو ہی چمچ بنا دیتے ہیں پھر بڑے شوق سے لوگ اخبار کے چمچ سے اخبار کی پلیٹ میں فاسٹ فوڈ کا مزہ لیتے نظر آتے ہیں، کبھی کبھی نیپ کین کا کام بھی اخبار سے ہی لے لیا جاتا ہے مگر اخبار میں کھانے والے یا اس میں منہ پوچھنے والے اس کے مضر اثرات سے ناآشنا ہوتے ہیں۔ پرنٹ میں شامل خطرناک کیمیکل انسانی صحت کے لیے انتہائی نقصان دہ ہے۔

آخری اور سب سے اہم بات یہ ہے اردو اخبارات میں دینی مضامین کی اشاعت پر روک ممکن نہیں ہے، مدیران لازمی احتیاط برتتے ہیں کہ اخبار میں قرآن کریم، احادیث اور دیگر عربی عبارات کے بجائے صرف ترجمہ اور اصل مضمون کی تلخیص ہوں۔ کچھ اخباروں میں باضابطہ طور پر دینی کالم کے ساتھ یہ نوٹ بھی ہوتا ہے 'اس صفحہ کا احترام کریں' ایسی صورت میں قارئین کو تھوڑی سہولت ہو جاتی ہے کہ وہ اخبار کے اس حصہ کو کاٹ کر محفوظ کر لیتے ہیں بقیہ کو فروخت کر دیتے ہیں۔ اخبار کے لیے دینی مضمون لکھتے وقت مضمون نگار کو چند باتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔ مثلاً اسم باری تعالیٰ اور حضور سرور کائنات ﷺ کے اسمائے مبارکہ رقم کرنے کے بجائے صفات کے استعمال کو ترجیح دیں۔ قرآن کریم کی آیات کی جگہ ترجمہ ذکر یں اور حوالہ دے دیں وغیرہ تاکہ بے ادبی اور بے حرمتی کا دائرہ محدود ہو سکے۔

یہاں چند سوالات ہیں جس سلسلے میں مفتیان کرام کی رہنمائی ضروری ہے اور وہ یہ کہ قرآن کریم، احادیث و دیگر اسلامی تعلیمات پر مبنی اخبارات کی کاپیوں کی ری سائکلنگ کی گنجائش کہاں تک ہے؟ ری سائکلنگ کے دوران پانی کا استعمال کیا جاتا ہے اور وہ پانی گندے نالے کا بھی ہو سکتا ہے۔

ایسے اخبارات کی کاپیوں کو تلف کرنے کے لیے جلانا یا پھر مشین کے ذریعہ باریک باریک ٹکڑے کرنا کیسا ہے؟ جب کہ وہ ٹکرے ڈسٹ بین میں ڈال دیے جاتے ہیں۔

اردو کے قارئین کی بڑی تعداد دینی مضامین پر مشتمل اخبارات کی کاپیوں کو جمع کر کے دریا برد کر دیتے ہیں، کیا اسے فروخت کیا جا سکتا ہے؟

☆☆☆

نقد و نظر

نام کتاب	:	معراج التصوف فی الاسلام
مصنف	:	پیر طریقت حضرت علامہ سید شاہ محمد حسنین رضا قادری رحمانی
صفحات	:	۳۵۸ اشاعت: ۲۱؍ جنوری ۲۰۱۶ء
ناشر	:	الرحمٰن اسلامک تحقیقاتی مشن، مدرسہ خانقاہ کیری شریف، بونسی، بانکا، بہار
مبصر	:	مبارک حسین مصباحی

کتاب کے مصنف خلیفۂ امام احمد رضا محدث بریلوی کے تلمیذ و خلیفہ حضرت علامہ سید شاہ عبد الرحمٰن قادری علیہ الرحمہ کے شہزادے مرشدِ طریقت خانوادۂ مصطفیٰ ﷺ کے چشم و چراغ، شیخ المسلمین عارف باللہ حضرت علامہ سید شاہ محمد حسنین رضا قادری رحمانی دامت برکاتہم العالیہ ہیں۔ آپ بلند پایہ عالمِ ربانی اور مدرسہ خانقاہ رحمانیہ کیری شریف، ضلع بانکا، بہار کے سجادہ نشیں ہیں۔ ہم نے غائبانہ ان کے فضائل و مناقب تو بہت سنے تھے، ان کے ولی عہد اور فرزند ارجمند محبِ گرامی حضرت مولانا سید شاہد رضا مصباحی ابھی چند سال پیش تر جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے فارغ ہوئے ہیں، ان سے بھی بار بار ملاقات ہوتی رہی، ان کی سنجیدگی، نکوکاری اور علم دوستی سے بھی خادم متاثر رہا، مگر ان تمام کے باوجود کبھی حضرت شیخ مصنف کی زیارت کا شرف حاصل نہیں ہو سکا تھا۔

چند ماہ قبل خادم ضلع بھاگل پور کے گاؤں ڈمراواں حاضر ہوا۔ اس پروگرام کے داعی احوالِ زمانہ پر گہری نظر رکھنے والے حضرت مولانا علیم الدین رضوی پرنسپل مدرسہ دینیات تعلیم القرآن تلہر تھے۔ موصوف برسوں سے قصبہ تلہر ضلع شاہ جہاں پور میں دین و سنیت کی خدمات انجام دے رہے ہیں، تلہر متعدد بار جانے کا اتفاق ہوا ہے، انھیں دنوں موصوف سے بھی خاصی شناسائی ہو گئی تھی، خیر ہم ان کی قیادت میں ان کی آبادی ڈمراواں پہنچے، ہم نے ذمہ داروں سے دریافت کیا کہ اجلاس میں اور کون کون بزرگ شرکت فرما رہے ہیں، انھوں نے دیگر چند حضرات کے بعد بطور خاص بتایا کہ کیری شریف کے حضرت سید صاحب بھی تشریف لا رہے ہیں، مگر اس وقت ہمارے ذہن میں یہ نہیں آسکا کہ کیری شریف کہاں ہے اور اس کے سید صاحب کون ہیں۔

محبِ گرامی حضرت مولانا سید شاہد رضا قادری رحمانی مصباحی جب تشریف لائے تو وہ سیدھے ہماری قیام گاہ پر جلوہ گر ہوئے، ہم انھیں دیکھ کر چونک گئے کہ آپ یہاں کیسے؟ ساتھ میں تشریف لانے والے معتقدین نے فرمایا کہ ہم انھیں سید صاحب کے بارے میں تو عرض کر رہے تھے، اب حضرت سید صاحب نے ضروری گفتگو کے بعد فرمایا: کہ کل آپ کا کیا پروگرام ہے؟ در اصل ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ ہمیں اپنی خانقاہ ساتھ لے کر چلیں، ہم نے بتایا کہ کل بھی اسی علاقے میں ایک مقام پر پروگرام ہے، یہ سن کر سید صاحب فرطِ مسرت سے جھوم اٹھے اور فرمایا کہ صبح آپ ہمارے ساتھ تشریف لے چلیں۔

خیر صبح ہم ان کی قیادت میں نکلے۔ قریب ۲۲؍ کلو میٹر کا فاصلہ طے کر کے ہم لوگ کیری شریف پہنچے، اس خانقاہ میں حاضری کا بنیادی مقصد مزارات مقدسہ پر فاتحہ پڑھنا اور حضرت صاحبِ سجادہ، دامت برکاتہم العالیہ سے شرفِ نیاز حاصل کرنا تھا، جیسے ہی ہم لوگ خانقاہ و مدرسہ کے گیٹ میں داخل ہوئے نیند اور تھکاوٹ کے اثرات ختم ہو گئے، وسیع زمین پر خوب صورت عمارتوں کا حسین منظر تھا، خانقاہ کے اندر داخل ہوئے تو طلبہ نے بڑی محبت سے گاڑی کو گھیر لیا، بڑی عقیدت سے مصافحہ کیا، اب ہم لوگ خانقاہ کے اندرونی حصے میں داخل ہوئے۔ داخلی نظم و نسق نے بے حد متاثر کیا، محبِ گرامی حضرت سید شاہد رحمانی مصباحی نے فرمایا، یہ ہمارے والد ماجد جلوہ گر ہیں، ہم نے دیکھا ایک نورانی بزرگ اپنے تلامذہ کے درمیان جلوہ گر ہیں، انتہائی پر نور چہرہ، سنت نبوی کے مطابق نورانی داڑھی، سر پر سنہری زلفیں، دل کش آنکھیں، مسکراتے لب، ہم نے بڑھ کر دست بوسی کی ہزار کوشش کی مگر حضرت نے کھڑے ہو کر سینے سے لگا لیا اور ڈھیر ساری دعائیں دیتے ہوئے بٹھا دیا، اس کے بعد علمی اور روحانی موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی، مولا تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے طفیل اس خانقاہ و مدرسہ کے علمی اور روحانی فیوض و برکات عام فرمائے۔ آمین۔

درس نظامی کی تکمیل کے بعد آپ کی دستار بندی کا منظر بھی دیدنی تھا۔ ۱۲؍ شعبان ۱۳۹۲ھ میں جلالۃ العلم حافظِ ملت حضرت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی، شمس العلما حضرت قاضی شمس الدین احمد جعفری، حضرت مولانا نجم الدین احمد اور حضرت مولانا خادم رسول علیہم الرحمۃ والرضوان نے اپنے مقدس ہاتھوں سے دستار بندی فرمائی۔ فراغت کے بعد آپ نے اپنی زندگی رشد و ہدایت، درس و تدریس اور خدمتِ خلق میں گزاری، آپ کا حلقۂ ارادت عام طور پر بہار، جھارکھنڈ، مغربی بنگال، اڑیسہ، چھتیس گڑھ اور راجستھان ہے۔ آپ کے والدِ گرامی اپنے عہد کے بلند پایہ عالمِ دین اور قادریت و چشتیت کے موج زن سمندر تھے۔ حضرت علامہ

سید شاہ محمد عبدالرحمٰن قادری علیہ الرحمۃ امام احمد رضا محدث بریلوی کے تلمیذ و خلیفہ تھے اور صرف نام کے تلمیذ نہیں بلکہ قابلِ صد افتخار تلمیذِ رشید تھے۔ ۲۶/ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۷ھ میں آپ کی فراغت ہوئی۔ سندِ فراغت عطا کرتے ہوئے امام احمد رضا قدس سرہ نے فرمایا تھا:

"أیھا الفاضل الکامل، مرضی الخصائل، محمود الشمائل، الرفع الشان السمی المکان مولانا سید محمد عبد الرحمٰن القادری البرکاتی ابن السید عبد القادر البیتھوی سلم المولیٰ القوی."

ترجمہ: اے فاضلِ کامل، عمدہ سیرت و کردار کے حامل، بہترین خوبیوں کے مالک، بڑی عظمت اور بلند مقام مولانا سید محمد عبدالرحمٰن قادری برکاتی ابن سید عبدالقادر بیتھوی سلمہ المولی القوی۔

امام احمد رضا محدث بریلوی کا کسی شاگرد کے تعلق سے ان الفاظ کا استعمال کرنا اس شاگرد کے لیے بڑے فخر کی بات ہے، فضیلت کی تکمیل کے بعد آپ بریلی شریف کے مرکزی دار الافتا میں فتویٰ نویسی فرمانے لگے۔ امام احمد رضا نے اسی پر اکتفا نہیں فرمایا، بلکہ مشائخ کرام کے ۱۳/ سلاسل کی خلافتیں بھی عطا فرمائیں۔ بریلی شریف کے عظیم مجدد اور شیخ طریقت نے خلافت عطا کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

"فاجزتہ بجمیع سلاسل الطریقۃ الواصلۃ الیّ و ھی ثلاثۃ عشر من القادریۃ والجشتیۃ والسھروردیۃ والنقشبندیۃ وغیرھا بعون الملک الجمیل."

ہم نے آپ کو ان سلاسلِ طریقت کی اجازت دی جو ہم تک پہنچے ہیں اور یہ تیرہ سلاسل قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ وغیرہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے۔

اپنے جلیل القدر استاذ گرامی اور بلند پایہ شیخ طریقت کے وصال کے بعد آپ اپنی خانقاہ میں تشریف لے گئے، رشد وہدایت، دعوت و تبلیغ اور درس و تدریس میں مصروف ہو گئے۔ آپ کے ارادت کیشوں کا حلقہ خاص طور پر غیر منقسم بہار اور بنگال تھا۔ ۱۶/ ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ، ۲۲/ جنوری شب ایک بج کر ۴۰/ منٹ پر علم وروحانیت کا یہ تاجدار اپنے آخری سفر پر روانہ ہو گیا۔

والدِ گرامی کے چہارم کی مجلس میں حضرت مصنف جانشیں کے عہدے پر فائز ہوئے اور آپ نے خانقاہ رحمانیہ اور مدرسہ رحمانیہ کی داغ بیل ڈالی۔

کتاب کے مصنف دامت برکاتہم العالیہ خاندانی سیادت و قیادت کے تاجدار اور علم و فضل کے مہرِ تاباں ہیں۔ امتِ مسلمہ کی صلاح و فلاح اور تصوف وروحانیت کی آفاقی خدمت آپ کی زندگی کا بنیادی نشانہ ہے۔ آپ علم و عمل کے پیکر اور زہد و پارسائی کے نیرِ تاباں ہیں۔ قرطاس وقلم کے میدان میں بھی آپ کو بلند مقام حاصل ہے، نثر و نظم میں گہری بصیرت رکھتے ہیں اور مسلسل لکھتے رہتے ہیں۔ احوالِ زمانہ پر حساس نظر رکھتے ہیں، رشد وہدایت آپ کی زندگی کا خاص مقصد ہے۔ آپ نے ایک سال نامہ بنام "نورِ رحمان" جاری فرمایا۔ حیاتِ مخدوم، معراجِ روحانیت، معراجِ زندگی در بندگی جیسی اہم کتابیں منظرِ عام پر آچکی ہیں اور ملک کے مختلف حلقوں میں مقبولیت حاصل کر چکی ہیں، آپ نعتیں اور منقبتیں بھی خوب لکھتے ہیں۔

امسال ۲۱/ جنوری ۲۰۱۶ء کو پیش نظر کتاب "معراج التصوف فی الاسلام" منظرِ عام پر آئی۔ ہم جب حضرت کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو حضرت کی طرف سے یہ کتاب اور دیگر چند کتابیں بطور تبرک حاصل ہوئیں، پیش نظر کتاب کے اندرونی ٹائٹل پر یہ اہم شعر درج ہے۔

کعبہ ہمارا کوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم
مصحفِ ایماں روئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

طویل فہرست کے بعد مصنف کی دو عشق انگیز نعتیں ہیں، اپنے والد گرامی قدس سرہ کے نام "ارمغانِ خلوص" ہے۔ غوثِ اعظم سید ناشیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی رضی اللہ عنہ اور خواجۂ خواجگاں خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کے نام شرفِ انتساب ہے، اس کے بعد حضرت مولانا صدیق احمد نوری کا تاثرنامہ ہے۔

تصوف مخالف عناصر کے حوالے سے اگر احوال کا تجزیہ کیا جائے تو مندرجہ ذیل امور سامنے آتے ہیں۔

(۱) مغربی تہذیب وتمدن کی غلامی۔

(۲) بدعقیدگی جیسے دیوبندیت، وہابیت، قادیانیت اور دہریت وغیرہ۔

(۳) جاہل اور بدعمل پیرانِ طریقت۔

پہلی قسم میں دنیا کے وہ مسلمان ہیں، جو اپنی روشن خیالی کے نام پر اسلام اور صوفیت کا مذاق اڑاتے ہیں، ظلم وستم، کذب و فساد، قتل و غارت گری، غیبت و چغل خوری، بے پردگی، بے حیائی، زنا و لواطت، کھیل کود کے نام پر جسم فروشی، آزادانہ روش اور عورت و مرد کا غیر شرعی اختلاط، فلمی دنیا کی فحش کاریاں وغیرہ۔ ان میں ایک بڑا طبقہ وہ ہے جو بڑے شہروں میں آباد ہے، ان سے بڑی تعداد ان کی ہے، مغربی ممالک میں زندگی گزار رہے ہیں۔ عام طور پر ان کی زندگیاں عشرتوں میں گزرتی ہیں، انھیں نہ قبر و حشر کی فکر ہے اور نہ عبادات کی کوئی فکر ہے اور نہ نیک معمولات کا کوئی جذبۂ شوق۔

دوسری قسم میں بعض لوگ اپنی صوفیانہ زندگی کا دعویٰ کرتے ہیں اور اکثر لوگ اس کی عداوت میں ڈوبے رہتے ہیں، بلکہ ایصالِ ثواب اور اعراس کے شدید دشمن ہیں، نہ میلاد و فاتحہ کے قائل ہیں اور نہ عقیدت و محبت سے اولیائے کرام کے مزارات پر حاضری دیتے ہیں بلکہ ان تمام امور کو ناجائز و شرک کہتے ہیں، اگر ذرا غائر نگاہ سے احوال کے پس منظر کا جائزہ لیں تو آپ کو

دہشت گردی میں ملوث یہی لوگ ملیں گے، القاعدہ، طالبان، لشکر طیبہ، الشباب، داعش وغیرہ میں انھیں کے افراد عام طور پر نظر آتے ہیں۔

تیسری قسم جاہل اور بدعمل صوفیوں کی ہے، یہ وہ حضرات ہیں کہ ان میں حقیقی صوفیت تو نہیں ہے، مگر صوفیت کا لباس پہن کر قوم کو اپنا گرویدہ بناتے ہیں تعویذ گنڈوں کے نام پر دولت کماتے ہیں، انھیں لوگوں نے اسلام کے تصور تصوف کو دنیا میں بدنام کیا ہے، اور اس قسم کے نام نہاد صوفیوں کی آج بھی بہت بڑی تعداد ہے۔ روحانی علاج میں عجیب وغریب ناٹک کرتے ہیں، عورتوں کو بے پردہ مرید کرتے ہیں، صوفیاے کرام کے دامن سے جوڑنے کے بجاے خود ہی ان کے مالی دامن سے وابستہ ہو جاتے ہیں، اس کے بعد وہ سب کچھ کر گزرتے ہیں جس کی اسلام اور انسانیت میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اس گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ تصوف در اصل قرآن و حدیث اور معمولات اکابر اہل سنت سے ماخوذ ہے، اسے آپ اس طرح بھی سمجھ سکتے ہیں کہ دین کی بہت سی اصطلاحات جو عہدِ رسالت مآب ﷺ میں نہیں تھیں، مگر بعد میں ہوئی ہیں، اگر وہ اچھی ہیں تو دین میں ان کے لیے کوئی مضائقہ نہیں، مثلاً ختم بخاری کی محفل، دستار فضیلت کا جشن، باضابطہ مدارس اور دار العلوموں کی تعمیر، درس میں نصابِ تعلیم، رفاہی کاموں کے لیے باضابطہ تنظیموں کا قیام، اسی طرح فلمی دنیا اور دیگر جدید فحشیات کے خلاف تحریریں اور تقریریں وغیرہ۔

ان حالات میں یہ کہنا کہ تصوف کا وجود عہدِ مصطفیٰ ﷺ میں نہیں تھا، اس کی اصطلاحات کا باضابطہ وجود نہیں تھا، مگر سرکار ﷺ کا ارشادِ گرامی "خير الناس قرنى ثم الذين يلونهم" سب سے بہتر لوگ میرے زمانے کے ہیں، پھر وہ لوگ جو ان سے ملے ہوئے ہیں، بقول مصنف: تصوف و صوفی کی اصطلاحات کا آغاز حدیث، تفسیر اور فقہ کی اصطلاحات کے رواج پذیر ہونے سے بسیار قبل رائج ہو چکا تھا، جب کہ اس وقت تابعین اور تبع تابعین کا دورِ مقدس تھا۔ (ص:۱۹۹)

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ جو مشہور تابعی ہیں، فرماتے ہیں:

نقل عن الحسن البصری انه قال رائت صوفياً فى الطواف فاعطيته شيئا فلم ياخذ.

حضرت حسن بصری سے منقول ہے کہ میں نے ایک صوفی کو طواف کرتے ہوئے دیکھا اور میں نے اسے کوئی چیز دی لیکن اس نے نہیں لی۔

اسی طرح مختلف بزرگوں کے حیرت انگیز اور کرامت ساز واقعات بھی پیش کیے ہیں۔

آپ نے اپنی کتاب میں تصوف کے مختلف گوشوں پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ حضرت مصنف نے ابتدائی تمہیدی تفصیلی گفتگو کے بعد اپنی کتاب کو چھ ابواب میں تقسیم فرمایا ہے۔

(۱) باب اول: معنیٰ تصوف ومفہومِ تصوف کے بیان ومباحث میں (۲) باب دوم: اصطلاحی تصوف کا نظریہ ورواج (۳) باب سوم: تصوف کے علمی و دینی مطالعہ کی حاجت (۴) باب چہارم: مطالعہ تصوف کی ضرورت عملی و اخلاقی کی تکمیل کے لیے (۵) باب پنجم مطالعہ تصوف کی اعتقادی حاجت (۶) باب ششم: تصوف اسلامی اساسی مقاصد کی روشنی میں۔

حضرت مصنف دامت برکاتہم العالیہ "حقیقت تصوف" کے زیرِ عنوان رقم طراز ہیں:

> حقیقتِ تصوف کا تعلق نہ جمود و تعطل سے ہے اور نہ ہی کسی سلسلہ طریقت سے مرتبط ہونے کا نام ہے اور نہ بزرگوں کے اعراس و چادر اور گاگر سے نسبت کا نام ہے، یہ جملہ غلط فہمیاں اور باطل خیالات روحِ تصوف کے نافہمی کے باعث ظہور میں آرہے ہیں، تصوف کو کوہ ساروں، غاروں اور صحراؤں کی فضا میں اذکار وافکار تک محدود کر دینا عظمت روحانیت کی غلط تعبیر ہے اور تصوف کے روے صباحی پر یہ الزام عائد کرنا کہ تصوف ایسے فلسفہ کا نام ہے جو حیات بخش حرکت و عمل سے دور کرنے والا ہے اور زندگی کے متبدل تقاضوں کا ہم راہی نہ بننے ولا اصول ہے، جو کلی طور پر ناصواب و ناروا اور نازیبا ہے۔" (معراج التصوف فی الاسلام، ص:۳۰۸)

اس صالح تنقید کے بعد آپ لکھتے ہیں:

> "جملہ مقامات واحوال اور تمامی تعلیمات کلی طور سے مقاصدِ ستہ پر متضمن ہیں۔" مقصدِ اول: تزکیۂ نفس۔ مقصدِ دوم: صفاے قلب۔ مقصدِ سوم: اطاعتِ حق۔ مقصدِ چہارم: محبتِ الٰہی۔ مقصدِ پنجم: رضاے الٰہی۔ مقصدِ ششم: معرفتِ الٰہی۔ (معراج التصوف فی الاسلام، ص:۳۰۹)

ان مباحث میں آپ نے ذیلی عنوانات کی روشنی میں بڑی گراں قدر گفتگو فرمائی ہے، پوری کتاب علم وروحانیت کے حوالے سے مطالعہ کرنے کے لائق ہے۔ زبان و بیان عمدہ اور آسان ہے، لب ولہجہ شیریں وپرکشش ہے، عنوان بدل بدل کر آپ نے موجودہ حالات پر بھی سخت گرفت فرمائی ہے، ہر باب کے تحت انمول علمی اور عملی نمونے ہیں، پڑھتے جائیے اور انمول خزانے لوٹتے جائیے، ضرورت ہے کہ اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے اور گھر گھر پہنچانے کی کوشش کی جائے، اسی کے ساتھ یہ بھی ضرورت ہے کہ اس کا ہندی زبان میں ترجمہ کیا جائے، کیوں کہ عام طور پر ہندی زبان ہی ہندوستان میں استعمال ہوتی ہے، اسی طرح دیگر علاقائی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہونا چاہیے۔ ◘◘◘

نعتِ پاک

کب سے ہے دل میں مدینے کے سفر کی آرزو
پوری ہوگی کب مِرے شوقِ نظر کی آرزو
جس کے ذروں نے نبی کے پاؤں کو بوسہ دیا
چومنے کی دل میں ہے اس رہ گزر کی آرزو
دل میں رقصاں ہو اگر تیری حضوری کی طلب
ہو بھلا پھر کیوں متاعِ سیم و زر کی آرزو
جلتا ہے جس دل میں آقا تیری یادوں کا چراغ
اس میں پلتی ہے کہاں لعل و گہر کی آرزو
کاش ہو جائے زیارت تیرے در کی ایک بار
ہے یہی بس ایک میری عمر بھر کی آرزو
دل میں رکھ کر بغض و کینہ آپ سے کوئی وصیؔ
رکھتا ہے بیکار طاعت کے ثمر کی آرزو

نعتِ پاک

آئے عمر تھے قتل کو ان کی جناب میں
ڈوبے مگر وہ اشک ندامت کے آب میں
سویا کروگے رات کو پڑھ کر درودِ پاک
اک دن ضرور دیکھو گے آقا کو خواب میں
دربارِ مصطفےٰ کے ہیں گستاخ جو میاں
رہتے ہیں ایسے لوگ ہمیشہ عتاب میں
کی بولہب نے دشمنی میرے رسول سے
رکھا خدا نے دائمی اس کو عذاب میں
آقا مِری خطاؤں کا رکھ لیجیے بھرم
کچھ بھی نہیں ہے میرے عمل کی کتاب میں
کھانے میں برکتیں ہوں صحت یاب ہوں مریض
ایسی شفا ہے پیارے نبی کے لعاب میں
دل میں جنونِ عشق سلامت رہے وصیؔ
جائیں گے ہم دیارِ رسالت مآب میں

ڈاکٹر وصی مکرانی واجدی، نیپال

نعتِ پاک

ہیں لاریب فخرِ انام اللہ اللہ
محمد علیہ السلام اللہ اللہ
مدینے کی وہ صبح و شام اللہ اللہ
زباں پر درود و سلام اللہ اللہ
محمد نے تقدیرِ انساں بدل دی
دیا زندگی کا نظام اللہ اللہ
وہ خضرا کے جلوے وہ رحمت کا عالم
بدرگاہِ خیر الانام اللہ اللہ
ہر اک ذرے کو چومتی جا رہی ہیں
نگاہیں بصد احترام اللہ اللہ
وہ کیفِ حضوری کے لمحات فاخرؔ
زباں پر درود و سلام اللہ اللہ

فاخر جلال پوری

---☆☆---☆☆---

نعتِ پاک

اللہ اللہ رے مرتبہ آپ کا
سب سے افضل ہے بعدِ خدا آپ کا
ساری امت پہ اک فضل و احسان ہے
روز و شب رہنا محوِ دعا آپ کا
دل میں ہر لحظہ خوفِ خدا بھی رہے
لب پہ ہو نام صلِ علیٰ آپ کا
نام ہے وجہِ تسکینِ قلب و جگر
مرحبا، مرحبا، مرحبا آپ کا
چاہے اسوہ ہو، سیرت ہو، کردار ہو
یا نبی سب کا سب معجزہ آپ کا
ہم کو آفاق بس اور بس چاہیے
اے رسولِ خدا آسرا آپ کا

ڈاکٹر آفاق فاخری، جلال پور

نعتِ پاک

پیغامِ خدا مجھ کو پیمبر سے ملا ہے
ایماں کا خزانہ یہ مقدر سے ملا ہے
والشمس کی تفسیر ہے ان کا رخِ انور
دنیا کو اجالا رخِ انور سے ملا ہے
خوش ہوں کہ مجھے حشر میں پروانۂ جنت
محبوبِ خدا شافعِ محشر سے ملا ہے
لہراتی ہیں قومیں جو سبھی امن کا پرچم
پرچم یہ اُسی مامن و مصدر سے ملا ہے
اے عائشہ دنیا کو طہارت کا خزانہ
لاریب ترے حجرۂ اطہر سے ملا ہے
جس کو مرے سرکار نے چادر میں اٹھایا
لب جا کے یہ میرا اُسی پتھر سے ملا ہے
اے شیرِ خدا اِس کی خبر کس کو ملے گی
کیا کیا تجھے سرکار کے بستر سے ملا ہے
وہ خون جو اسلام کو مَرنے نہیں دیتا
شبیرؔ سے حاصل ہوا، شبرؔ سے ملا ہے
بیعت نہیں کر سکتا ہوں سر کٹتا ہے کٹ جائے
جذبہ یہ مجھے سبطِ پیمبر سے ملا ہے
اے موجِ فرات! اب مجھے حاجت نہیں تیری
رشتہ تو مِری پیاس کا کوثر سے ملا ہے
جو لطف ملا آنکھ کو سرور کی گلی میں
کب لطف وہ فردوس کے منظر سے ملا ہے
مہتابؔ مجھے ہجر میں رونے کا سلیقہ
سرکار کے حنانۂ خوش تر سے ملا ہے

مہتاب پیامی، مبارک پور

صدائے بازگشت

ماہ نامہ اشرفیہ مکمل کمالِ خوبی سے مزین علمی گل دستہ

مکرمی و محترمی.................سلام مسنون

بہت دنوں بعد یعنی ۲۵/ جون ۲۰۱۶ء کو ایک ساتھ نیپال کے پتہ پر اشرفیہ کے چار شمارے (ستمبر، اکتوبر، نومبر، دسمبر ۲۰۱۵ء) موصول ہوئے۔ اس سلسلے میں عرض یہ کرنی ہے کہ ابھی نیپال کی سیاسی صورتِ حال اور باہمی مفاہمت کی راہ ہموار نہیں ہے۔ اس لیے نیپال کے پتہ پر ارسال نہ کیا جائے، بلکہ میرے انڈین پتہ پر جو آپ کے ریکارڈ میں بھی موجود ہے، پھر بھی اس خط میں بھی لکھ دے رہا ہوں۔ آئندہ اسی پتے پر ارسال کرنے کی زحمت کریں گے۔

دینی رسائل میں جو مجھے سب سے زیادہ محبوب و مرغوب ہے، وہ رسالہ ماہ نامہ اشرفیہ ہے، لیکن نہ جانے کیوں یہ مجھ سے خفا خفا رہتا ہے، یا پھر میری چاہت کا دعویٰ کھوکھلا ہے کیا؟ کسی رسالہ میں جب چند باتیں اچھی ہوتی ہیں تو لوگ اس کی تعریف میں قلم اٹھا لیتے ہیں، ماہ نامہ اشرفیہ تو مکمل کمالِ خوبی سے مزین و مرصع ایک حسین گل دستہ ہے، پھر اس کی توصیف کے لیے زبان و قلم کی ضرورت ہی نہیں ہے، جو دل میں ہوتا ہے زبان اکثر وہی بولتی ہے۔ وقت کے مایہ ناز دانشورانِ اہلِ قلم اور زبان و ادب کے نابغۂ روزگار افراد کے مضامین و تحریرات سے مزین یہ رسالہ قارئین کے تسکینِ قلب و جاں اور سکونِ فکر و نظر کے لیے ایک سود مند تحفہ ہے۔ اصلاحِ معاشرہ اور تحفظِ زبان و ادب کے لیے دینی رسائل کے پیغامات، خدمات اور احسانات سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ آج کے اس عہد میں اخبارات ہوں کہ ادبی مجلات و دینی رسالے ہر جگہ ہر میدان میں مصباحی فن کاروں اور قلم کاروں نے اپنا دبدبہ بنائے رکھا ہے۔ یہ سب دیکھ کر اور پڑھ کر دل سے دعائیں نکلتی ہیں کہ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔ اس بار ایک مختصر تبصرہ اور ایک مختصر مضمون حاضرِ خدمت کر رہا ہوں۔ اچھا لگے تو چھاپے گا۔ خیر اندیش ڈاکٹر **وصی مکرانی واجدی**، ملنگوا، نیپال

پی ایچ ڈی کے مقالہ کے لیے مواد کی فراہمی

مکرمی و محترمی.................سلام مسنون

گذارشِ خدمت یہ ہے کہ میرا پی ایچ ڈی کا مقالہ بعنوان ”برطانوی ہند میں آریہ سماج مسلم مناظرے“ نظرِ ثانی کے بعد تکمیل کے آخری مراحل میں ہے۔ مختلف مکاتبِ فکر کے علما کی آریہ سماج سے ہوئے مناظرے کی رودادیں، رپورٹس، خبریں، شائع شدہ کتابیات وغیرہ راقم کو تقریباً دستیاب ہو چکی ہیں، مگر اس بابت سب سے افسوس کا معاملہ یہ ہے کہ ابھی تک علمائے اہلِ سنت (بریلوی) کی طرف سے اس ضمن میں تعاون کی کوئی خاص پیش رفت نہیں ہو سکی ہے، میں نے اس سے قبل ماہ نامہ ماہِ نور دہلی دسمبر ۲۰۱۲ء کے اداریہ میں بھی صاحبانِ علم و فضل سے تعاون کی درخواست کی تھی۔

ایک بار پھر آپ کے موقر رسالے کے ذریعہ اس ضمن میں اہلِ سنت کے اداروں اور علما و دانش ور حضرات سے مواد کی فراہمی کی بابت مخلصانہ درخواست کرتا ہوں۔ آپ میں سے کسی کو اگر اس بابت کوئی معلومات ہو تو براہِ کرم مجھے بذریعہ فون یا ای میل یا خط سے معلومات فراہم کریں۔ آپ کی نوازش ہوگی۔ آپ کے شکریہ کے ساتھ آپ کا فراہم کردہ حوالہ مقالے میں شامل کیا جائے گا۔

فقط والسلام۔ نوشاد عالم چشتی

Naushad Alam Chishti
Warsi Clinic, Medical College Road
Aligarh (U.P.) PIN-202002
Mob. +919412562751
Email- naushadchichti@yahooo.com

دھوکا ایک معاشرتی ناسور

مکرمی و محترمی...................سلام مسنون

ایک وبا، ایک مرض، ایک اخلاقی سے قدر گری ہوئی حرکت، ایک معیوب عمل، حسنِ معاشرت کے لیے زہر قاتل، معاشرے کو تعفن زدہ کرنے والی حرکت۔ ہم سب اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ یہ برا فعل ہے۔ کسی طور پر بھی ہمیں قبول نہیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ قابلِ مذمت فعل کہیں ہم خود کر رہے ہوتے ہیں۔ کہیں اس عمل کو برداشت کر رہے ہوتے ہیں۔ سمجھے میں کس کی بات کر رہا ہوں۔

میں بات کر رہا ہوں!! ”دھوکا“ کے متعلق!! ایک ایسا فعل کے جس کے متعلق سننے یا جس کے ساتھ یہ ہوتا ہے بہر صورت ایک ہیجانی کیفیت بن جاتی ہے۔ کوفت ہونے لگتی ہے۔ آج یہ وبا معاشرے میں بہت پھیل چکی ہے۔ ریڑھی والے سے لیکر فیکٹری کے مالک تک، ایک عام ٹیوشن پڑھانے والے سے لیکر یونیورسٹی کے ڈین تک، ایک عام کلرک سے لیکر باس تک، گھر کے چھوٹے بچے سے لیکر گھر کے سربراہ تک سبھی اس تعفن

زدہ مرض کا شکار ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ معاشرے اس آلودگی میں اس قدر اَٹ چکے ہیں کہ انھیں محسوس ہی نہیں ہو رہا۔ بلکہ اسی دھوکا کو کوئی اپنی جرأت سے تعبیر کرتا ہے تو کوئی اسے مدبرانہ پالیسی سے تعبیر کرتا ہے ۔کوئی اسے کامیابی کا زینہ سمجھتا ہے۔آپ تحریر پڑھ رہے ہیں اس دوران ذرا اپنے معاشرے کا خاکہ بھی خیال کی تختی پر بنتے ہوئے دیکھیے گا۔آپ اقرار کریں گے کہ ڈاکٹر ظہور احمد دانش کا ادراک درست ہے۔

ماہرین سر جوڑ کر اس بات کو جاننے کی کوشش کر رہے ہیں کہ لوگ دھوکا کیوں دیتے ہیں۔کیا کوئی نفسیاتی عارضہ ہے۔صحبت کا اثر ہے یا پھر کوئی اور محرک ہے کہ ایک معاشرے کا متحرک شخص دھوکا دینے میں عار محسوس نہیں کرتا۔یہ بات باعث اطمینان ہوتی ہے کہ کسی بھی معاشرے میں، عمومی طور پر، زیادہ تر لوگ اصول و قوانین کے پابند یا انھیں ترجیح دینے والے ہوتے ہیں۔ لیکن پھر بھی اپنے فائدے کے لیے بے ایمانی کرنا دراصل حیرت انگیز طور پر عام سی بات ہے۔

ماہرین کے تجزیات کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات آشکارا ہوئی کہ دھوکا ،فریب، صرف انسانوں میں ہی نہیں، بلکہ جانداروں میں ہر اس جگہ سامنے آتا ہے جہاں وسائل کم اور ان کے حصول کے لیے مقابلہ سخت ہو۔اور اس طویل فہرست میں جراثیم سے لے کر جانور تک سب شامل ہیں، جو دوسروں کی محنت سے خود فائدہ اٹھانے کی تگ و دو میں رہتے ہیں۔ لیکن، انسان جو کہ مخلوقات میں بہتر دماغی صلاحیت کا حامل ہے، افضل ہے۔اُن کی اس صلاحیت میں بہتری دوسروں کو دھوکا دینے کی صلاحیت اور امکانات میں اضافے کا سبب ہوتی ہے۔

محترم قارئین!!معاشرتی علوم و نفسیات کے علم کے ماہرین کی آراء کی روشنی میں چند عناصر سامنے آتے ہیں جن کی بنیاد پر انسان دھوکا اور فریب سے کام لیتا ہے۔(۱)انسان زندگی کو عزیز اور زندہ رہنے کو محبوب جانتا ہے ۔اب ایسے میں جب اس کے دماغ میں یہ بات بیٹھ جاتی ہے کہ وہ اس کی قیمتی ترین شئے زندگی کی بقا دوسروں سے فریب سے کام لینے میں ہے۔وہ یہ سوچ بیٹھتا ہے کہ ان نامساعد حالات میں کوئی بھی اس کے ساتھ تعاون نہیں کرے گا۔اس خوف کی پاداش میں وہ دھوکا سے کام لیکر اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے جتن کر رہا ہوتا ہے۔

(۲)دوسری بڑی وجہ جو سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کو ان کا حق نہیں مل رہا انکی حق تلفی ہو رہی ہے۔انھیں ان کی محنت کا ثمر نہیں مل رہا لہذا وہ اپنی تسکین کے لیے اور اپنے زعم کامیابی کی تعریف جانتے ہوئے۔ دوسروں کو لوٹنے کی کوئی توجیہ ڈھونڈ لیتے ہیں۔

(۳)تحقیق و مطالعہ کے بعد فریب و دھوکا دینے کی تیسری بڑی وجہ جو سامنے آتی ہے، وہ یہ کہ انسان بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے کو اپنا حق سمجھنے لگتا ہے۔وہ خود ساختہ ایک سوچ بنا لیتا ہے کہ اتنے لوگ دھوکا و فریب سے کام لے رہے تو میں اس جنگل کے قانون والے معاشرے میں دھوکا کیوں نہ کروں؟ یا پھر یہ سوچ و فکر ذہن پر تانے بانے بُن رہی ہوتی ہے کہ دھوکا دینے و نہ دینے میں کچھ فرق نہیں تھوڑا ہم بھی آزما لیتے ہیں۔

(۴)مطالعہ اور مشاہد کہ بعد چھوتھی بڑی وجہ لوگوں کے دلوں سے قانوں کا خوف اور انجام سے بے خبری ہے، لوگوں کے دلوں سے احساس ختم ہو گیا ہے ،بے حس ہونے کی وجہ وہ اچھے اور برے کے امتیاز سے آزاد زندگی بسر کر رہے ہیں۔انھیں کسی ضابطہ کار و اصول سے کوئی سرو کار نہیں۔بس، یہی وجہ ہے کہ آج ان کے بچے بھی یہی کچھ سیکھ رہے ہیں!!

محترم قارئین !اگر اپنی عزت کو، رتبے کو اور کردار کو کچلنا ہو تو ”دھوکا“ کا استعمال ایک آسان کام ہے، یہ ایک ایسا کام ہے جس میں آدمی بہت سی اخلاقی برائیاں ایک ساتھ ملا کر اس میں استعمال کرتا ہے۔ جھوٹ سے شروع ہونے والا یہ کام نہ صرف جھوٹ پر ہی ختم ہوتا ہے بلکہ اپنے ساتھ اور بہت سے چیزیں بھی ختم کر دیتا ہے جس میں سر فہرست عزت نفس اور اعتماد ہے۔

قابل غور بات: دھوکا دینا وقتی لذت و فائدہ تو دے سکتا ہے۔مگر زندگی میں بہت پریشانیاں لا کر بے اطمیانی کو جنم دے گا۔یقین مانیں کہ دوسرے انسان کو نظر نہ آنے والا دھوکا، آپکے کندھے پر موجود لکھنے والے فرشتوں سے کبھی نہیں چھپ سکتا۔ہم کسی شریف انسان کو تو دھوکا دے سکتے مگر رب کو کبھی نہیں دے سکتے۔یہ بات خود کو سمجھا کر ارد گرد کے لوگوں کو بھی بتا دیں کہ دھوکا کھانے والا شریف و مجبور تو اکثر خاموشی سے آپ کا دھوکا برداشت کر جاتا مگر رب تو نہیں بھولتا نا اور پھر نہ ہی چھوڑتا ہے۔۔یہ دنیا کی کھلی حقیقت ہے کہ دھوکا دینا تو آسان ہے، مگر خود سہنا بہت ہی مشکل۔تو پھر آج ہی سے یہ نیت کر لیں کے اگر کسی کبھی دھوکا دیا تو نادم ہوں اور نہ کرنے کا عزم کر لیں اور اگر دھوکا نہیں دیا تو اس عظیم عادت پر قائم رہنے کی نیت کر لیجیے۔ان شاء اللہ عزوجل !!آپ اس کے بیش بہا انعامات و ثمرات پائیں گے۔ فقط والسلام

ظہور احمد دانش
zahoordanish98@yahoo.com

باب دکن، دار السرور، مدینۃ الاولیا

برہان پور میں سواد اعظم اہلِ سنت وجماعت کا بے مثال اتحاد

محمد امین چشتی

حضور حافظِ ملت جلالۃ العلم علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی علیہ الرحمہ کا ارشادِ گرامی ہے: ”اتحاد زندگی ہے اور اختلاف موت“

جس قوم میں اتحاد ہوگا وہ قوم ترقی کرے گی، جس شہر میں اتحاد ہوگا وہ شہر ترقی کرے گا، جس قصبے میں اتحاد ہوگا وہ قصبہ ترقی کرے گا، جس ملک میں اتحاد ہوگا وہ ملک ترقی کرے گا، گویا کہ ترقی کی ضمانت اتحاد ہی ہے اور اس کی اہمیت و ضرورت سے کوئی بھی غافل نہیں۔ اس لیے اکابرینِ امت نے ہر دور میں ملتِ اسلامیہ کو متحد کرنے کی دل وجان سے کوشش کی، اس ضمن میں حضور حافظِ ملت علیہ الرحمہ کی مساعی جلیلہ اور آپ کے اقوالِ زریں آج بھی اکنافِ عالم میں مشہور و معرو ہیں۔ حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ مختلف قومیں جن میں بے انتہا اعتقادی اور نظریاتی اختلاف پایا جاتا ہے وہ لوگ بھی مختلف مواقع پر اپنے اختلاف کو پسِ پشت ڈال کر آپس میں ایک ہوجاتے ہیں۔ مگر اہلِ حق سوادِ اعظم اہلِ سنت والجماعت آج کے اس پر فتن دور میں جب کہ اتحادِ امت کی اشد ضرورت ہے، چند فروعی اختلافات کی بنا پر ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہتے ہیں: ”کیا بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک“۔

رب قدیر نے یہ شرف اہلِ دار السرور برہان پور کو بخشا ہے کہ فروعی اختلافات کے عروج کے اس دور میں انھوں نے کم از کم اپنے شہر اور ضلعی سطح پر اہلِ سنت کے تمام مدارس، تمام سلاسل اور خانقاہوں، تمام تنظیموں اور شوسل ریفارمر گروپ وغیرہ کو متحد ومنظم کرنے کا عظیم کارنامہ کر دکھایا ہے۔

برہان پور کا تاریخی پس منظر: شہر برہان پور صوبہ مدھیہ پردیش میں تاپتی ندی کے کنارے بسا وہ مردم خیز خطہ ہے جس نے بے شمار علما، فقہا، محدثین، مورخین، شعرا اور ادبا پیدا کیے۔ اس کی پانچ سو سالہ تاریخ ایسے اربابِ علم و دانش اور نادر روزگار شخصیات سے بھری پڑی ہے جنھوں نے تاریخِ عالم پر گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب جمع الجوامع کی مبسوط اور بے نظیر شرح کنز العمّال کے مصنف علامہ علاء الدین شیخ متقی البرہان پوری الہندی کو آج کون نہیں جانتا۔ حضور قطبِ برہان پور حضرت بہاء الدین شاہ باجن، بابا فتح محمد محدث، شیخ طاہر محدث، شاہ عیسیٰ جند اللہ (مسیح الاولیا) شاہ محمد ابن فضل اللہ (نائب رسول اللہ) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اسی سرزمین سے تعلق رکھتے ہیں۔ فقہ حنفی کی مشہور زمانہ اور شاہ کار تصنیف فتاویٰ عالم گیری کے مرتبین علما کی ٹیم کے سربراہ ملا نظام الدین علیہ الرحمہ اور اکثر علما برہان پور ہی کے تھے۔ نیز یہ کتاب برہان پور کی پر بہار اور عطر بیز فضا میں بیٹھ کر خود سلطان عادل محی الدین محمد اورنگ زیب عالم گیر کی نگرانی میں لکھی گئی۔ شہرہ آفاق مورخ محمد قاسم فرشتہ نے عظیم ہندوستان کی تاریخ (تاریخ فرشتہ) اسی دیار برہان پور میں لکھی۔ یہاں کے شعرا کا فارسی کلام سن کر مشہور شاعر صائب تبریزی (جو شہنشاہ شاہ جہاں کے ساتھ برہان پور آیا تھا) بھی کہنے پر مجبور ہوگیا کہ

هزار حیف کہ نوعی و عرفی و سنجر
نیند جمع بہ دار العیار برہانپور
کہ قوتِ سخن و لطفِ طبع می دیدند
نمی شدند بہ طبعِ بلند خود مغرور

(شعر العجم، ج:۳، ص:۱۷۸، بحوالہ گہوارۂ علم برہان پور)

غرض اپنی گوناگوں خصوصیات کی بنا پر اسے دار السرور، مدینۃ الاولیا، مرکزِ روحانیت، گہوارۂ علم، دکن کی دہلی اور بابِ دکن جیسے ناموں سے تاریخ میں یاد کیا گیا۔ اہلِ علم، اربابِ فکر وتحقیق اور تاریخ سے دل چسپی رکھنے والوں کے لیے یہ ایک اہم موضوع ہے۔ فی الحال اپنے موضوع کی مناسبت سے ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

برہان پور کے موجودہ احوال و کوائف: فی الحال برہان پور کی آبادی تقریباً ساڑھے تین لاکھ ہے، جس میں اکثریت سنی صحیح العقیدہ مسلمانوں کی ہے، اس کے علاوہ دیگر مذاہب اور فرقوں کے لوگ بھی کافی تعداد میں آباد ہیں۔ چوں کہ یہ ابتدا ہی سے گہوارۂ علم وادب اور مسکنِ اولیا رہا ہے، لہٰذا اس کے آثار آج پانچ سو سال بعد بھی یہاں کے معاشرے پر دیکھے جاسکتے ہیں۔ فی الحال اہلِ سنت کے چھ بڑے مدارس، دونوں تحریکیں (دعوتِ اسلامی، سنی دعوتِ اسلامی) متعدّد خانقاہیں اور لاتعداد شوسل ریفارمر گروپ ہیں جو پوری قوت کے ساتھ دین و ملت کی خدمت میں سرگرداں ہیں۔ چند سالوں پہلے یہ سب بکھرے ہوئے تھے اور ہر کوئی اپنی جگہ علاحدہ مصروف خدمت تھا۔

اتحادِ اہلِ سنت: یہ بڑی ہی عجیب اور حیرت انگیز بات ہے کہ اہلِ سنت کے ان بکھرے ہوئے موتیوں کو یکجا کر کے ایک دھاگے میں پرونے اور متحد اور منظم کر کے ایک پلیٹ فارم پر لانے کا یہ عظیم کارنامہ جنھوں نے کر دکھایا ہے وہ نہ تو بہت بڑے عالم وفاضل ہیں، نہ ہی شیخِ طریقت ہیں بلکہ ملت کا درد رکھنے والے عام سنی مسلمان ہیں جو کاروبار، پیشے و روزگار کی اعتبار سے بھی مختلف میدانوں سے وابستہ ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) قاری شکیل احمد [پارچہ باف] (۲) ایڈوکیٹ خلیل احمد اشرفی علیگ [پروفیسر و وکیل] (۳) ماسٹر محمد امین چشتی [ٹیچر گورنمنٹ اردو اسکول] (۴) ڈاکٹر فیروز خان [معالج و حکیم]

یہ بات حیران کن بھی ہے اور قابلِ ستائش بھی کہ ان میں سے کوئی بھی عالم وفاضل تو نہیں ہے، لیکن ان لوگوں نے ملت کے درد مند علما کے دیرینہ خواب کو شرمندۂ تعبیر کر دکھایا۔ یہ اگرچہ عالم نہیں مگر براہ راست اکابر علماے برہان پور سے وابستہ ہیں اور ان کی نگرانی میں شریعت کے حکم کے مطابق تمام کام انجام دیتے ہیں۔ ان تمامی حضرات کی سوجھ بوجھ اور حکمتِ عملی، غور و تدبیر اور جہدِ مسلسل کے نتیجے کے طور پر برہان پور میں تمام مدارس، تمام تنظیمیں، تمام سلاسل، خانقاہیں اور ان کے وابستگان، تحریکیں اور ان کے خیر خواہان اور ملت کا درد رکھنے والے خوش عقیدہ سنی مسلمان ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو پائے ہیں۔ کسی بھی قسم کے اتحاد کے لیے ایک ایسے قائد کا وجود شرط اول ہوتا ہے جس پر تمام لوگ متفق ہوں اور ہر شخص اس کی قیادت اور اس کے حکم کو بسرو چشم قبول کرتا ہو۔ الحمد للہ سرزمینِ برہان پور پر ایک ایسی ہی نابغۂ روزگار شخصیت موجود ہے جن کے علم وفضل اور بیش بہا خدمات کا اعتراف ہر خُرد و کلاں، عوام وخواص حتیٰ کہ اپنے اور بیگانے سبھی عمیق دل سے کرتے ہیں۔ آپ کی چالیس سالہ خدمات کے اعتراف میں اہلِ برہان پور نے ۲۲؍ مئی ۲۰۱۵ء کو آپ کو گنبدِ خضرا ایوارڈ سے سرفراز فرمایا۔ میری مراد فخر مدھیہ پردیش، حضور مفتیِ اعظم برہان پور، محبوب العلما مفتی سید محبوب عالم صاحب نعیمی اشرفی سے ہے جن کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ بچے بوڑھے اور جوان سبھی آپ سے بے انتہا محبت کرتے ہیں، تمام مشائخ طریقت آپ کا صمیم دل سے احترام کرتے ہیں۔ تمام مدارس اور تنظیموں کی سرپرستی حضرت خود فرماتے ہیں اور اس بے مثال اتحاد کی روحِ رواں بھی آپ ہی کی ذات بابرکت ہے۔

ناظمِ تعلیمات جامعہ اشرفیہ، مبارک پور علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ نے جس مجلسِ اعلیٰ (تھنک ٹینک) کا ذکر کیا وہ مذکورہ چار حضرات پر مشتمل مجلسِ اعلیٰ ہے جو براہِ راست حضور مفتیِ اعظم برہان پور مفتی سید محبوب عالم نعیمی کی اور دیگر علماے برہان پور کی نگرانی میں اپنے امور انجام دیتی ہے۔ اس مبارک اتحاد میں شامل اراکین کی تفصیل درج ذیل ہے:

مدارس:

۱. جامعہ اشرفیہ اظہار العلوم۔ (ناظمِ اعلیٰ احمد اشرف اشرفی سجادہ نشیں خانقاہ اشرفیہ برہان پور) واشرفی برادران
۲. دار العلوم نوریہ اہلِ سنت بدر الاسلام (ناظمِ اعلیٰ الحاج انصار احمد جامی و مولانا احسان ملک نوری خلیفہ امامِ علم وفن) و نوری برادران
۳. دار العلوم نعمانِ رضا (ناظمِ اعلیٰ نجم الحسن قادری و قادری برادران)
۴. مدرسہ اہلِ سنت غوثیہ حبیبیہ (ناظمِ اعلیٰ قاری خورشید احمد حبیبی قادری، خلیفۂ حضور حبیبِ ملت و حبیبی برادران)
۵. مدرسہ فاروقیہ سلطان العلوم (ناظمِ اعلیٰ: محمد رفیق فاروقی و فاروقی برادران)
۶. مدرسہ حلیمیہ سعدیہ اہلِ سنت (برائے طالبات)۔ (ناظمِ اعلیٰ: شعیب احمد چشتی و چشتی برادران)

سلاسل:

۱. سلسلۂ برکاتیہ (مریدین و متوسلین سید آلِ رسول حسنین میاں نظمی علیہ الرحمۃ، مارہرہ شریف)
۲. سلسلہ قادریہ (مریدین و متوسلین تاجدارِ اہلِ سنت عبد الحمید سالم القادری، بدایوں شریف)
۳. سلسلہ چشتیہ (مریدین و متوسلین حضرت سید محمد فاروق میاں چشتی مصباحی، دیویٰ شریف)
۴. سلسلہ نوریہ رضویہ (مریدین و متوسلین حضرت علامہ مفتی کوثر حسن)
۵. سلسلہ اشرفیہ (مریدین و متوسلین حضور سرکارِ برہان پور بخش اللہ شاہ اشرفی و دیر مشائخ کچھوچھہ مقدسہ)
۶. سلسلہ حبیبیہ قادریہ (مریدین و متوسلین حضور مجاہدِ ملت حبیب الرحمٰن عباسی علیہ الرحمۃ)
۷. سلسلہ عطاریہ (مریدین و متوسلین امیر اہلِ سنت مولانا الیاس عطار قادری دام ظلہ)
۸. سلسلہ نوریہ (مریدین و متوسلین حضرت علامہ مولانا شاکر علی نوری)

تنظیمات و گروپ:

۱. عالمی تحریک دعوتِ اسلامی (نگراں ڈاکٹر سرفراز عطاری حلقہ ہندستنی کابینہ)
۲. عالمی تحریک سنی دعوتِ اسلامی (نگراں ڈاکٹر فیروز خان نوری)
۳. کے. جی. این. گروپ (صدر مشتاق عالم منا بھائی)
۴. برکاتی مشن برہان پور (ڈائریکٹر: تنوری رضا برکاتی)
۵. بزمِ سرکارِ کلاں (صدر: ماسٹر حمید اللہ اشرفی)

۶. روشن گروپ (صدر: عبدالقادر صاحب)
۷. انجمن فیضان غریب نواز (صدر: سعید انصاری)
۸. انجمن امام اعظم (صدر: محمد اکرم فاروقی)
۹. انجمن بے نظیر شیخ الکبیر دادا نذیر میاں چشتی رحمہ اللہ (صدر: پیر زادہ سید مصطفی علی)
۱۰. سمنانی اردو عربی مدرسہ (نبیرۂ حضور سرکار برہانپور مولانا نہال اشرفی)

مذکورہ بالا مدارس، سلاسل اور تنظیمیں پچھلے ۹؍ سالوں سے باہم شیر و شکر ہو کر ایک دوسرے کی مدد سے درج ذیل کاموں کو انجام دیتی ہیں۔

۱. ماہِ محرم میں ایک تا ۱۰؍ محرم دس روزہ اجتماعی اجلاس۔
۲. ماہِ ربیع النور میں ایک تا ۱۱؍ ربیع النور بارہ روزہ اجتماعی اجلاس

مذکرہ بالا دونوں اجلاس میں تمام مدارس اور تنظیموں کی جانب سے ایک ایک روزہ جلسہ منعقد ہوتا ہے جو ایک ہی مقام پر ایک ہی اسٹیج پر محبوب العلما سید محبوب عالم صاحب قبلہ کی سرپرستی میں مشترکہ طور پر انعقاد پذیر ہوتا ہے۔ جس کے نظم و نسق کی پوری ذمہ داری مجلسِ اعلیٰ کے کندھوں پر ہوتی ہے جسے چاروں افراد بحسن و خوبی پچھلے ۹؍ سالوں سے ادا کرتے آرہے ہیں۔

۳. ماہِ ربیع النور کا اجتماعی اجلاس: جس کی قیادت اکابر علماے برہان پور فرماتے ہیں اور انتظام و انصرام اور کنٹرول کا کام مجلسِ اعلیٰ انجام دیتی ہے۔

۴۔ رویتِ ہلال: ماہِ رمضان و عیدین کے مواقع پر رویتِ ہلال کا کام شریعت مطہرہ کی روشنی میں مرکزی مجلسِ اعلیٰ انجام دیتی ہے تاہم اس کے لیے باقاعدہ ذیلی مجلس کے قیام پر غور کیا جارہا ہے۔

سوادِ اعظم اہلِ سنت و جماعت کا ضلعی پیمانے پر اتنا بڑا اتحاد تادمِ تحریر برہان پور کے علاوہ برصغیر ہند و پاک میں کہیں بھی نظر نہیں آتا، جب بھی کوئی اختلاف و انتشار ہوتا ہے تو رفع نزاع کے لیے دار الافتا اہل سنت جامعہ اشرفیہ اظہار العلوم (مفتی سید محبوب عالم صاحب قبلہ کے حجرۂ خاص میں) ایک مخصوص میٹنگ منعقد کی جاتی ہے جس میں مدعی، مدعا علیہ، اکابر علماے اہلِ سنت اور مجلسِ اعلیٰ کے اراکین کی موجودگی میں سیدی محبوب العلما شریعت مطہرہ کی روشنی میں مسئلہ کا حل فرماتے ہیں۔ آپ کا فتویٰ اور فیصلہ شہر کے ہر طبقے کے لیے حرفِ آخر کی حیثیت رکھتا ہے اور بلا چوں و چرا ہر فرد اسے قبول کرتا ہے۔

مجلسِ اعلیٰ (تھنک ٹینک) کی حیثیت اور اس کا دائرۂ عمل: مجلسِ اعلیٰ درج ذیل چار افراد پر مشتمل ہے جو مجموعی طور پر علماے اہلِ سنت کی نمائندگی کرتی ہے۔

(۱) قاری شکیل عالم (معروف پارچہ باف و سماجی خدمت گار)
(۲) ایڈوکیٹ خلیل احمد اشرفی علیگ (وکیل و پروفیسر، قانونی مشیر اہلِ سنت)
(۳) ماسٹر محمد امین چشتی (اسکول ٹیچر ایم پی گورنمنٹ)
(۴) ڈاکٹر فیروز خان نوری (معالج، حکیم)

علماے کرام کی بے انتہا مصروفیت کے سبب یہ حضرات علماے ذوی الاحترام کی نگرانی میں اور گوناگوں صلاحیتوں کو بروے کار لاکر مختلف قسم کے مقررہ امور کو انجام دیتے ہیں، جن میں سے کچھ خاص درج ذیل ہیں:

۱. ماہ محرم میں دس روزہ پروگرام کے انعقاد کے انتظامات کرنا۔
۲. ماہِ ربیع النور میں بارہ روزہ پروگرام کے انعقاد کے انتظامات کرنا۔
۳. جلوسِ میلاد النبی ﷺ کے انتظامات کرنا۔
۴. رویتِ ہلال کے معاملے میں شرعی شہادت گزر جانے کے بعد اعلان کرنا۔
۵. سیاسی معاملات میں اہلِ سنت کی نمائندگی کرنا۔

اول الذکر ۲؍ حضرات سیاسی معاملات میں اہلِ سنت کی نمائندگی کا کام انجام دیتے ہیں، جب کہ آخر الذکر دو حضرات میں سے ایک سرکاری ملازم ہونے کے سبب اور دوسرے غیر سیاسی تحریک سے وابستہ ہونے کی بنا پر سیاست سے اجتناب کرتے ہیں۔

۶. اراکین کے مابین اختلاف و انتشار کی صورت میں رفعِ نزاع کے لیے اقدامات کرنا۔
۷. بد مذہبوں کی جانب سے کیے گئے اعتراضات کے تحریری و تقریری جوابات کے انتظامات کرنا۔
۸. پرنٹ میڈیا و الیکٹرانک میڈیا میں اہلِ سنت کی نمائندگی کرنا۔
۹. قانونی معاملات میں آئینِ ہند کے موافق شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں اہلِ سنت کے حقوق کی لڑائی لڑنا۔

اس کے لیے متفقہ طور پر ایڈوکیٹ خلیل احمد اشرفی کو قانونی مشیر اور اور مجلسِ اعلیٰ کا رکن منتخب کیا گیا ہے۔

الحمدللہ! مدینۃ الاولیا برہان پور میں آرام فرما سیکڑوں اولیاے کاملین کے فیوض و برکات سے اتحادِ اہلِ سنت کا یہ کارواں کامیابی و کامرانی کی طرف رواں دواں ہے، اسے توڑنے کی بہت کوشش کی گئی لیکن انہی اولیاے برہان پور کا فیض ہے کہ آج ۹؍ سال گزرنے کے بعد بھی یہ اتحاد قائم ہے۔

حضرت علامہ محمد احمد مصباحی صاحب (ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ) کی بارگاہ میں دست بستہ عرض ہے کہ آپ کے رقم کردہ خطوط اور لائحۂ عمل کے موافق اتحادِ سوادِ اعظم کی بنیاد تو ڈال دی گئی، ضرورت اس بات کی ہے کہ اب ضلعی سطح سے آگے بڑھ کر ملکی سطح پر اتحاد کی عمارت تعمیر کی جائے۔ ہم اہلِ برہان پور اس کے زیرِ سایہ کام کرنے کو تیار ہیں۔ ☆☆☆☆

الجامعۃ الاشرفیہ میں علامہ عبد الرؤف بلیاوی کا عرس

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی عزیز المساجد میں نائب شیخ الحدیث حضرت علامہ حافظ عبد الرؤف بلیاوی علیہ الرحمۃ کے سالانہ عرس کی تقریب کا انعقاد ہوا جس میں خطاب کرتے ہوئے مولانا مسعود احمد برکاتی استاذ جامعہ اشرفیہ نے کہا کہ علامہ عبد الرؤف علیہ الرحمۃ بلند اخلاق، منکسر المزاج، صابر و شاکر، صبر و تحمل اور اوصاف و اعلیٰ کردار کے جامع تھے، بے مثال فقیہ اور مایہ ناز مفکر تھے، علوم قرآن و حدیث، فقہ و فلسفہ، منطق علم کلام اور دیگر علوم و فنون میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا، اساتذہ و طلبہ مختلف علوم و فنون کے لاینحل مسائل کو لے کر حاضر ہوتے اور انھیں اپنی صلاحیتوں سے بہت ہی سہل انداز میں حل فرما دیتے تھے۔ آپ حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کے بہت ہی چہیتے تھے، یہی وجہ ہے کہ حافظ ملت نے طلبہ کے سارے معاملات ان ہی کے حوالے کر دیے تھے۔ مولانا نے آگے کہا کہ آپ علیہ الرحمۃ کے ذوق مطالعہ کا یہ عالم تھا کہ آپ مطالعہ چھوڑ کر یہاں کے بڑے بڑے جلوس میں شامل نہیں ہوا کرتے تھے۔ مولانا نے طلبہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ علامہ عبد الرؤف علیہ الرحمۃ کے تواضع و انکسار کا یہ حال تھا کہ اعلیٰ منصب پر فائز ہونے کے باوجود بھی جب حافظ ملت علیہ الرحمۃ کی بارگاہ میں جانا ہوتا تو پہلے حافظ ملت علیہ الرحمۃ کی جوتیاں سیدھی کرتے پھر اندر داخل ہوتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم کے ساتھ ساتھ تواضع و انکساری سیکھنا بھی نہایت ضروری ہے۔ عزیز ملت حضرت علامہ شاہ عبد الحفیظ مصباحی دام ظلہ العالی سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ نے جلیل القدر عالم ربانی جامعہ اشرفیہ کے بلند پایہ استاذ حضرت علامہ حافظ عبد الرؤ بلیاوی علیہ الرحمہ کی زندگی پر روشنی ڈالی۔ آپ نے فرمایا: حضرت علیہ الرحمۃ عہد کے بلند فکر اور دور اندیش فرد کامل تھے۔ آپ نے بڑی محنت سے فتاویٰ رضویہ کی چند جلدوں کو مرتب فرمایا اور سنی دار الاشاعت مبارک پور سے شائع فرما کر رضویات پر ایک بڑا کارنامہ انجام دیا، حضرت عزیز ملت نے اپنے ناصحانہ خطاب میں طلبہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اپنے اوقات کو ہرگز ضائع نہ ہونے دیں اور جس مقصد کے تحت جامعہ میں داخلہ لیا ہے اسے ہر وقت اپنے ذہن میں رکھیں، جامعہ کے قوانین و ضوابط کی پابندی کے ساتھ اپنے مشفق اساتذہ سے علم حاصل کریں، باصلاحیت عالم باعمل بن کر جامعہ سے جائیں اور دین متین کی خدمت کریں۔ اخیر میں موصوف نے جملہ طلبہ کو روشن مستقبل کی دعائیں دیتے ہوئے عالم اسلام کے جملہ مومنین و مومنات کو آفات سماویہ و ارضیہ سے محفوظ رہنے اور ملک و ملت کی سلامتی کی دعا فرمائی۔ قبل تقریب قرآن خوانی کا اہتمام کیا گیا جس میں جامعہ کے اساتذہ اور طلبہ نے شرکت کر کے قرآن خوانی کی، اس کے بعد پروگرام کا آغاز ہوا۔ اخیر میں قل شریف اور فاتحہ خوانی کر کے حضرت علامہ عبد الرؤف بلیاوی علیہ الرحمۃ کی روح کو ایصال ثواب کیا گیا۔ پروگرام کا آغاز تلاوت قرآن پاک سے ہوا پھر جامعہ کے طلبہ نے منظوم خراج عقیدت پیش کیا۔ منصب صدارت پر حضرت سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ جلوہ گر تھے اور نظامت مفتی زاہد علی سلامی نے کی۔ صلاۃ و سلام اور خیر الاذکیا علامہ محمد احمد مصباحی کی دعا پر تقریب کا اختتام ہوا۔ اس موقع پر جامعہ اشرفیہ کے پرنسپل مفتی محمد نظام الدین رضوی، مفتی عبد الحق مصباحی، مفتی محمد معراج القادری، مولانا ناظم علی مصباحی، ماہ نامہ اشرفیہ کے چیف ایڈیٹر مولانا مبارک حسین مصباحی، مولانا حسیب اختر مصباحی، مفتی بدر عالم مصباحی، مفتی محمد نسیم القادری، مولانا نفیس احمد مصباحی، مولانا صدر الوریٰ مصباحی، مولانا ساجد علی مصباحی، مولانا دستگیر عالم مصباحی، مولانا رفیع القدر مصباحی وغیرہ کے علاوہ جامعہ کے اساتذہ و طلبہ کثیر تعداد میں موجود تھے۔

از: رحمت اللہ مصباحی

میرا روڈ میں جشن ولادتِ اعلیٰ حضرت کا انعقاد

مورخہ ۱۰؍ شوال المکرم ۱۴۳۷ھ مطابق ۱۶؍ اگست ۲۰۱۶ء بروز سنیچر بوقت صبح ۹؍ بجے تا ایک بجے دو پہر، جامعہ اسلامیہ یتیم خانہ نیا نگر میرا رڈ کے جامعہ ہال میں، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ رحمۃ الرحمٰن کے یوم ولادت کے موقع پر ایک پروگرام "جشن یوم ولادت اعلیٰ حضرت" زیر صدارت حضرت مولانا محمد مثنیٰ اشرفی خطیب و امام جامعہ مسجد ،ریڈینٹ سوسائٹی، میرا روڈ، زیر قیادت حضرت مولانا حافظ و قاری محمد اختر علی واجد القادری بانی و سربراہ ادارہ ہٰذا، منعقد کیا گیا۔ جس میں متعدد علمائے کرام اور دانشوران شہر شامل ہوئے اور اپنے اپنے خیالات کا اظہار فرما کر اپنے محسن کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کئے۔

تفصیلات کے مطابق امام اہل سنت مجدد دین و ملت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے یوم ولادت کے موقع پر صبح نو بجے ادارہ کے ہال میں حافظ محمد عبد السبحان رضوی کی تلاوت کلام پاک سے جشن کا آغاز ہوا، متعدد طلبہ نے نعت و منقبت پیش کیں، ناظم ادارہ حضرت مولانا محمد نذیر احمد رضوی، قاری محمد نواب علی نوری، مولانا محمد عابد حسین رضوی، و غیرہ کے نعت و منقبت کے بعد بانیِ ادارہ ہٰذا کا پر مغز و ولولہ انگیز خطاب ہوا۔ جامعہ اسلامیہ یتیم خانہ اپنے تمام اکابرین اہل سنت کی یادوں اور خدمات کو سلام کرتا ہے، ہم اور ہمارا ادارہ ہمیشہ اپنے اسلاف کی یادیں مناتے رہیں گے، ان کے بتائے ہوئے راستوں پر گامزن رہیں گے، جشن یوم ولادت اعلیٰ حضرت میں حضرت مولانا شمیم اختر رضوی خطیب و امام مسجد سنگھوی میرا روڈ نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ اعلیٰ حضرت ایک ذات کا نام نہیں بلکہ ایک تحریک اور جماعت کا نام ہے، ان کا نام اس دور میں اہل سنت کی علامت ہے، ان سے محبت حقیقی سنی کی نشانی ہے، تقریب کے مقرر خصوصی حضرت مولانا حکیم محمد افتخار عالم اشرفی مصباحی قمر بھاگلپوری بانی مخدوم سمناں اکیڈمی ممبئی نے نصیحت آمیز خطاب فرمایا اور کہا کہ جو بندہ اللہ و رسول کا ہو جاتا ہے پوری دنیا اس کی ہو جاتی ہے، امام احمد رضا کو ہم اور آپ نے نہیں دیکھا مگر ان کی محبت ہمارے دل میں اللہ نے ڈال دی ہے، انھوں نے مزید کہا کہ مدارس کے طلبہ کو چاہیے کہ وہ سیرت امام احمد رضا سے سبق حاصل کریں کہ امام احمد رضا نے بڑی بڑی یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل نہیں کی مگر اللہ و رسول کی رضا کے لیے تعلیم حاصل کی۔ اب ہماری یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم ان کے اس مشن کو آگے بڑھائیں۔

اخیر میں صلاۃ و سلام کے بعد صدر اجلاس کی دعا پر مجلس اختتام پذیر ہوئی۔ شرکائے اجلاس میں قاری حبیب الرحمٰن رضوی، امام سنی مسجد کانگو، حضرت مولانا شاہد رضا رضوی آنگن مسجد کے علاوہ علاقائی علما و حفاظ کرام نے خصوصی شرکت فرمائی۔ از: محمد اختر علی واجد القادری

حضرت مولانا نظائر الاسلام مصباحی کا وصال پر ملال

حضرت مولانا نظائر الاسلام مصباحی ولد حاجی حامد علی اکتوبر ۱۹۷۳ء کو پیدا ہوئے اور ۶؍ جون ۲۰۱۶ء مطابق یکم رمضان المبارک ۱۴۳۷ھ کو انتقال ہوا۔

مرحوم نے مدرسہ محمدیہ حنفیہ شاہی چبوترہ امروہا، مرکزی مدرسہ اجمل العلوم سنبھل، شمس العلوم گھوسی میں تعلیم حاصل کی اور ۱۹۹۰ء سے ۱۹۹۵ء تک جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں حصولِ تعلیم کے بعد ۱۹۹۵ء میں فراغت حاصل کی اور ۱۹۹۵ء سے تا وقت انتقال محمدیہ حنفیہ امروہہ میں درس و تدریس کی خدمت انجام دی نیز محلہ چھتری باغ میں مدرسہ عثمانیہ اور مسجد کے قیام میں بھر پور جد و جہد کی اور مدرسہ بنات العائشہ پھول باغ کے بانی بھی رہے۔

امروہہ میں اہل سنت و جماعت کی اشاعت و تبلیغ کے سلسلہ آپ کو اہم مقام حاصل تھا، صدر مدرسہ محمد حنفیہ مفتی شاہد حسین اجملی صاحب نے آپ کو غسل دیا اور حضرت مفتی اسماعیل ہریانوی نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔

اشفاق العلما حضرت مفتی اشفاق حسین نعیمی علیہ الرحمۃ کے بھائی کی پوتی آپ کے عقد میں تھیں، آپ کی اولاد میں صرف تین لڑکیاں ہیں۔
از: محمد ناظم حسین، متعلم جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

نوٹ: محب گرامی حضرت مولانا نظائر الاسلام مصباحی مرحوم ابھی بالکل جوان تھے، خوش اخلاقی اور ملنساری میں بہت بلند تھے، ان کے داخلے کے وقت ان کے والد گرامی حضرت الحاج ماسٹر حامد علی صاحب ہمارے گھر شاہ آباد ضلع رام پور میں تشریف لائے تھے، اس کے بعد سے آج تک آپ سے اور آپ کے دیگر صاحب زادگان سے گہرے روابط رہے، ہم ان کے گاؤں ہریانہ ضلع امروہہ میں متعدد بار جا چکے ہیں۔

ہمارے مولانا نظائر الاسلام مصباحی باشعور اور علم دوست انسان تھے، انھوں نے امروہہ کے ایک تاریخی ادارے میں گراں قدر خدمات

انجام دیں، نیز دیگر مصروفیات بھی صد قابل افتخار ہیں۔ خدا جانے انھیں کس خطرناک مرض نے پکڑ لیا کہ ان کی جان ہی چلی گئی، حالاں کہ مرحوم گٹھیلے جسم کے جوان تھے، ابھی تو انھیں بہت کام کرنے تھے، مگر ہر چیز کا ایک وقت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ اپنے حبیب ﷺ کے طفیل جنت الفردوس عطا فرمائے اور پس ماندگان خاص طور پر والدین کریمین، بیوی بچیوں اور برادران کو صبر و شکر کی توفیق خیر عطا فرمائے۔ آمین۔ از: مبارک حسین مصباحی

شاہ آباد ضلع رام پور میں انوار طیبہ کانفرنس

شاہ آباد ضلع رام پور کا ایک قدیم قصبہ سے قریب ۱۹۹۱ء میں دار العلوم اہل سنت جامعہ طیبہ کے نام ایک ادارے کی بناڈالی گئی۔ یہ ادارہ مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے آج دو عمارتوں میں چل رہا ہے، ایک دو منزلہ عالی شان عمارت محلہ امیر علی میں ہے اور دوسری بڑی عمارت قریب ساڑھے آٹھ بیگھ زمین پر بریلی روڈ پر آٹھ بڑے بڑے کمروں پر مشتمل ہے۔ آج ہم لوگ پھر "انوار طیبہ کانفرنس" میں جمع ہیں۔ حفظ و قراءت سے فارغین کی دستار بندی کا خوب صورت منظر آپ حضرات اپنی نگاہوں سے دیکھیں گے۔ دستار بندی کے جشن آپ اس سے پہلے بھی دیکھ چکے ہیں۔ یہ آپ حضرات اور ملک کے اہل خیر کے تعاون کے نتائج ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس اہم ادارے کو جامعہ اشرفیہ مبارک پور اور دیگر اہم اداروں کے طرز پر آگے بڑھائے۔ ان خیالات کا اظہار مفکر اسلام حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور اور بانی و مہتمم جامعہ طیبہ شاہ آباد نے فرمایا۔ ۱۷ر شعبان المعظم ۱۴۳۷ھ/۲۵ر مئی ۲۰۱۶ء میں شاہ آباد کے ایک وسیع میدان میں منعقد ہونے والی کانفرنس کا آغاز حضرت مولانا قاری نور الہدیٰ مصباحی استاذ مدرسہ عربیہ سعید العلوم لکشمی پور، ضلع مہراج گنج نے تلاوت قرآن عظیم سے کیا، کانفرنس کی نظامت حضرت مولانا محمد اسلم ثقلینی نے فرمائی، جب کہ مہمان خصوصی کی حیثیت سے استاذ القرا حضرت قاری علی حسین اشرفی بحیثیت سرپرست موجود تھے۔ جامعہ کے طلبہ نے نعتیں اور ابتائی تقریریں فرمائیں۔ مہمان شاعر قاری انعام الحق، خطیب و امام مسجد متوالی نے عشق انگیز نعت شریف پیش کی۔ نام ور عالم دین حضرت مولانا علیم الدین رضوی پرنسپل مدرسہ دینیات تعلیم القرآن تلہر، ضلع شاہ جہاں پور نے معلوماتی خطاب فرمایا۔ آپ نے دینی تعلیم کی اہمیت اور امت مسلمہ کی صلاح و فلاح کے حوالے سے بڑا مدلل خطاب فرمایا اور اپنی پرکشش باتوں سے سامعین کو خوب محظوظ فرمایا۔ جامعہ طیبہ کے نام ور فارغ اور مشہور نعت خواں حضرت حافظ و قاری نوشاد راہی چکرپوری نے اپنی دلکش نعت سے سامعین کو تڑپا دیا۔

ان کے بعد روزنامہ سہارا کے نام ور صحافی خطیب اہل سنت حضرت مولانا نور الہدیٰ مصباحی مہراج گنجوی نے انتہائی فکر انگیز خطاب فرمایا۔ آپ نے مدارس اسلامیہ کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے جامعہ طیبہ کی خصوصیات کا ذکر فرمایا۔ آپ نے فرمایا: ہم نے جامعہ طیبہ کی وسیع عمارتوں کو دیکھا تو دل باغ باغ ہو گیا، اے شاہ آباد والو اور علاقے والو، خوش نصیب ہو کہ آپ کو یہ عظیم ادارہ ملا۔ ہماری گذارش ہے کہ آپ حضرات زیادہ سے زیادہ تعاون فرما کر اس ادارے کو ضلع رام پور کا ایک تاریخی ادارہ بنائیں۔

نعت شریف کے بعد نبیرۂ حافظ ملت خطیب الہند حضرت مولانا محمد نعیم الدین عزیزی ولی عہد خانقاہ عزیزیہ مبارک پور کو مدعو کیا گیا۔ آپ نے اپنے مخصوص لب و لہجہ میں تفصیلی خطاب فرمایا۔ آپ نے تاریخ و سیر کے حوالے سے صحابۂ کرام کے عشق و محبت سے شواہد بھی پیش کیے، اسی کے ساتھ آپ نے اولیائے کرام کے عشق و عرفان سے بھرپور احوال بھی پیش کیے۔ آپ نے فرمایا کہ دنیا سائنس اور ٹکنالوجی کے حوالے سے آگے بڑھ رہی ہے، مگر ان تمام ترقیوں کے پیچھے مسلمانوں کا عملی کردار ہے۔ آپ نے درد بھرے لب و لہجہ میں مسلمانوں سے اپیل فرمائی کہ یہ دنیا اور ہماری زندگی مختصر ہے، ہماری زندگی دنیا نہیں بلکہ دنیا تو کارگاہ فکر و عمل ہے، ہماری زندگی کا مقصد آخرت کی زندگی ہونا چاہیے، مگر ہم آج نمازیں چھوڑتے ہیں، روزے ترک کرتے ہیں، صاحب استطاعت ہو کر حج و زکات سے اجتناب کرتے ہیں، یہ ہماری ناکام زندگی کی علامت ہے، ہمیں اس دنیا کو آخرت کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔ صد قابل مبارک باد ہیں وہ حضرات جو اپنی زندگی کو ناپائدار زندگی کے لیے نہیں بلکہ آخرت کو سنوارنے کے لیے کوشش میں گزارتے ہیں۔

آخری خطاب کے لیے معروف خطیب اور قلم کار حضرت مولانا مقبول احمد سالک مصباحی جلوہ گر ہوئے۔ آپ نے جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے لے کر جامعہ طیبہ شاہ آباد تک احوال پر روشنی ڈالی اور دلائل کے ساتھ اس حقیقت کو سامعین کے دل و دماغ میں اتارنے کی کوشش فرمائی کہ اگر قوم اور علمائے کرام توجہ دیں تو اس جماعت کے فکر و مزاج میں دینی تعلیم و تربیت کی اہمیت کو اتارا جا سکتا ہے۔

اخیر میں حفظ و قراءت کے فارغین کی دستار بندی ہوئی۔ یہ منظر بھی ناظرین و سامعین کے لیے بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ اس موقع پر بھی حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی نے جامعہ طیبہ کے فارغین کے حوالے سے اپنے گراں قدر خیالات کا اظہار فرمایا۔ دیگر اہم شرکا میں حضرت مولانا حافظ مختار احمد ناظم تعلیمات جامعہ طیبہ، حضرت قاری محمد

یونس استاذ جامعہ طیبہ، حضرت قاری محمد اسلام استاذ جامعہ طیبہ،حضرت مولانا عبد الرحمٰن نعیمی،حضرت قاری سید شاہ ویز، حضرت قاری محمد عمر، حضرت قاری انیس احمد، حضرت قاری فیضان اشرف، ماسٹر جمیل احمد، استاذ جامعہ طیبہ، ماسٹر محمد ناہید استاذ جامعہ طیبہ، ان علما کے علاوہ کمیٹی کے ذمہ داران اور دیگر اہم حضرات موجود تھے۔

از: ضیاء الحسن، قصبہ بسولی، بدایوں متعلّم جامعہ طیبہ شاہ آباد

(ص:۳۰ کا بقیہ).... نیز علامہ صاحب کے مذکورہ نظریات کے بین السطور سے ہم یہ نتیجہ بھی اخذ کر سکتے ہیں کہ علامہ موصوف کی دور رس نگاہیں بخوبی اس بات کا مشاہدہ کر رہی تھیں کہ نہ صرف ان کے زمانے میں بلکہ آنے والے وقت میں مسلمانوں کی فلاح کا دار و مدار نہ صرف مشرقی یعنی اسلامی علوم پر ہوگا اور نہ صرف مغربی علوم پر بلکہ جب تک ان دونوں علوم سے خود کو مسلح نہ کیا جائے گا اس وقت تک مسلم قوم کسی سطح پر بھی کامیابی سے آشنا نہیں ہو سکتی ہے اس لیے وہ بار بار اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اسلامی علوم کے ساتھ ساتھ مروجہ علوم سے بھی خاطر خواہ شناسائی ہونا چاہیے تبھی اسلامی پیغام کا فیضان صحیح معنوں میں عام کیا جاسکتا ہے۔

افسوس اس بات کا ہے کہ سید سلیمان اشرف بہاری علیہ الرحمۃ کے پیش کردہ یہ نظریات انتہائی قیمتی ہونے کے باوجود اپنوں ہی کی طرف سے زبردست بے اعتنائی کے شکار ہیں، اور اسلامی دانش گاہوں میں آج بھی عملی طور پر اس طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دی جارہی ہے، جبکہ غیر اس سلسلہ میں ہم پر سبقت لے گئے ہیں۔ آپ خود ہی دیکھ لیجئے کہ چاہے مدارس و مکاتب میں تعلیمی نہج اور اسلوب تعلیم کا مسئلہ ہو یا پھر اسلامی تعلیم اور اس کی اسناد کو مختلف کورسز کے مساوی اور عصری تعلیم گاہوں میں قابل قبول بنانے کا مسئلہ ہو، ہمارے مدارس ان دونوں جہتوں میں دوسروں سے پیچھے ہیں، نہ ہمارے یہاں ابھی تک اسلوب تعلیم میں بدلاؤ کی طرف کوئی مناسب پیش قدمی ہوئی ہے اور نہ ہی علوم اسلامیہ کے حامل علما کے لیے ترقی کے مواقع فراہم کرنے کی طرف خاطر خواہ پیش رفت ہو سکی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اہل سنت تعلیمی میدان میں اپنی معتبر شناخت بنانے یا تعلیمی اعتبار سے اپنے وجود کا احساس دلانے میں بہت زیادہ کامیاب نہیں ہیں، جس کی وجہ سے عوامی طبقہ اپنے بچوں کو جلدی مدارس میں بھیجنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ اسلامی مدارس اگر علامہ صاحب کے پیش کردہ نظریات پر ایک مرتبہ غور کر لیں اور ان پر توجہ دیں تو یہ قوم مسلم کے حق میں کچھ بہتر ہو سکتا ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ السبیل ص:۳۶ ۲۔ ایضاص:۲۴
۳۔ ایضاص: ۲۳ ۴۔ ایضاص:۲۳
۵۔ ایضاص:۲۴ ۶۔ ایضاص:۲۸
۷۔ ایضاص:۳۸ ۸۔ ایضاص:۴۲
۹۔ ایضاص:۴۲ ۱۰۔ ایضاص:۴۰

☆☆☆☆